خطبہ نمبر

قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ بِیَدِ اللّٰہِ ۚ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیۡمٌ (آل عمران 74)

روزنامہ

الفضل لندن

مدیر ابو سعید

Online Edition

سوموار 11 مئی 2020ء | 17 رمضان 1441 ہجری قمری | جلد:2 | شمارہ:113

ارشاد باری تعالیٰ

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَ اعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوۡا ۪ وَ اذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَ کُنۡتُمۡ عَلٰی شَفَا حُفۡرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَکُمۡ مِّنۡہَا ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمۡ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰۴﴾ (آل عمران:104)

اور اللہ کی رسّی کو سب کے سب مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو آپس میں باندھ دیا اور پھر اس کی نعمت سے تم بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر (کھڑے) تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ شاید تم ہدایت پا جاؤ۔

خلاصہ خطبہ جمعہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرمودہ 8 مئی 2020ء بمقام مسجد مبارک، اسلام آباد ٹلفورڈ یو کے

بدری صحابی حضرت خباب بن الارتؓ کا ذکرِ خیر اور آپؓ نے جو دین حق کی خاطر شدید جسمانی تکالیف اور اذیّتیں اُٹھائیں

رسول کریم ﷺ پر ایمان لا کر جن لوگوں نے سب سے زیادہ تکلیفیں اُٹھائیں وہ غلام ہی تھے جن میں خبابؓ بن الارت بھی ایک غلام تھے

ایک مرتبہ آپؓ کو گرم زمین پر لٹایا گیا یہاں تک کہ کمر تپش کی وجہ سے سفید ہوگئی اور اس طرح کی کئی تکالیف آپؓ کو اسلام قبول کرنے کی وجہ سے برداشت کرنی پڑیں

حضرت علیؓ نے کہا اللہ خباب پر رحم کرے، وہ اپنی خوشی سے اسلام لائے اور اُنہوں نے اطاعت کرتے ہوئے ہجرت کی اور ایک مجاہد کے طور پر زندگی گزاری اور جسمانی طور پر وہ آزمائے گئے اور جو شخص نیک کام کرے اللہ اُس کا اجر ضائع نہیں کرتا

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے مورخہ 8 مئی 2020ء کو مسجد مبارک ، اسلام آباد ٹلفورڈ یوکے میں خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا جو کہ مختلف زبانوں میں تراجم کے ساتھ ایم ٹی اے انٹرنیشنل پر براہ راست نشر کیا گیا ۔حضور انور نے فرمایا : آج میں ایک بدری صحابی حضرت خباب بن الارتؓ کا ذکر کروں گا۔ حضرت خبابؓ کا تعلق قبیلہ بنو سعد بن زید سے تھا۔ ان کے والد کا نام ارت بن جندلہ تھا ،ان کی کنیت ابوعبداللہ اور بعض کے نزدیک ابو محمد اور ابویحیٰ بھی تھی۔ زمانہ جاہلیت میں غلام بنا کر مکہ میں یہ بھیج دیئے گئے۔ یہ عتبہ بن غزوان کے غلام تھے۔ بعض کے نزدیک امّ عمار خزاعیہ کے غلام تھے۔ بنو زہرہ کے حلیف ہوئے۔ اوّل اسلام لانے والے اصحابؓ میں یہ چھٹے نمبر پر تھے اور اُن اوّلین میں سے ہیں جنہوں نے اپنا اسلام ظاہر کر کے اس کی پاداش میں سخت مصائب برداشت کئے۔ حضرت خبابؓ رسول اللہ ﷺ کے دارِ ارقم میں تشریف لانے اور اس میں دعوت دینے سے پہلے اسلام لائے تھے۔ سب سے پہلے جن لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے اسلام ظاہر کیا وہ یہ ہیں۔حضرت ابو بکرؓ، حضرت خبابؓ، حضرت صہیبؓ، حضرت بلالؓ، حضرت عمارؓ اور حضرت سمیہؓ والدہ حضرت عمارؓ۔ تاریخ اس پر شاہد ہے کہ آنحضرت ﷺ خود بھی مشرکین مکہ کے ہاتھوں مظالم سے محفوظ نہ رہے اور نہ ہی حضرت ابو بکرؓ محفوظ رہے۔ اُنہیں بھی طرح طرح کے ظلم و ستم کا نشانہ بنایا گیا ۔ باقی لوگوں کو لوہے کی زرہیں پہنائی گئیں اور اُنہیں سورج کی شدید دُھوپ میں جُھلسایا گیا اور جس قدر اللہ نے چاہا اُنہوں نے لوہے اور سورج کی حرارت کو برداشت کیا۔ حضرت خبابؓ نے بہت صبر کیا اور کفّار کے مطالبے یعنی اسلام سے انکار کو منظور نہیں کیا تو اُن لوگوں نے ان کی پیٹھ پر گرم گرم پتھر رکھے یہاں تک کہ ان کی پیٹھ سے گوشت جاتا رہا۔حضور انور نے حضرت خبابؓ کا ایک واقعہ جو حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے کے وقت پیش آیا اس کا تفصیلی ذکر فرمایا۔

حضور انور نے فرمایا: حضرت خبابؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ ایک درخت کے نیچے لیٹے ہوئے تھے اور آپؐ نے اپنا ہاتھ اپنے سر کے نیچے رکھا ہوا تھا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپؐ ہمارے لئے دُعا نہیں کریں گے اس قوم کے خلاف جن کی نسبت ہمیں ڈر ہے کہ وہ ہمیں ہمارے دین سے نہ پھیر دیں تو آپؐ نے مجھ سے اپنا چہرہ تین مرتبہ پھیرا چہرہ پرے کر لیا اور جب بھی میں آپؐ سے یہ عرض کرتا تو آپؐ اپنا منہ موڑ لیتے۔ تیسری دفعہ آپؐ اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا: اے لوگو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور صبر کرو۔ خدا کی قسم تم سے پہلے خدا کے ایسے مؤمن بندے گزرے ہیں جن کے سر پر آرا رکھ دیا جاتا اور اُنہیں دو ٹکڑے کر دیا جاتا مگر وہ اپنے دین سے پیچھے نہ ہٹے۔ اللہ کا تقویٰ اختیار کرو ،اللہ تمہاری راہیں کھولنے والا اور تمہارے کام بنانے والا ہے۔

حضرت خبابؓ کہتے ہیں کہ میں لوہار تھا اور عاص بن وائل کے ذمہ میرا قرض تھا ۔میں اس کے پاس تقاضا کرنے آیا تو اُس نے مجھ سے کہا کہ میں ہرگز ادا نہیں کروں گا تمہارا قرض جب تک تم محمد کا انکار نہ کرو۔ اس بات کا اعلان نہ کرو کہ میں آنحضرت ﷺ

باقی صفحہ نمبر 7 پر

اس شمارہ میں

- خلاصہ خطبہ جمعہ 8 مئی 2020ء
- اداریہ۔رمضان اور اصلاح نفس
- نظم۔وہ جب بھی نظر آئے ہمیں جلسہ نظر آئے
- متن خطبہ جمعہ 17۔اپریل 2020ء
- توبہ استغفار کی اہمیت اور مشکلات کا بہترین وظیفہ
- صدقۃ الفطر،احکام و مسائل
- انفاق فی سبیل اللہ
- نظم۔رمضان کا چاند دیکھ کر
- ہیومینٹی فرسٹ بلکان ممالک کی خدمت میں پیش پیش
- صداقتِ انبیاء کے پانچ قرآنی معیار
- مکرم سلطان احمد سندھو کا ذکر خیر
- خدا کی قدرتیں اور ہمارا ظرف

اداریہ

رمضان اوراصلاحِ نفس

رمضان اورقرآن آپس میں لازم ملزوم ہیں۔ قرآن کے نزول کاآغاز 24رمضان کو ہوا۔کہتے ہیں کہ قرآن کریم رمضان میں نازل ہوا یا رمضان کے بارے میں نازل ہوا۔ حضرت جبرائیلؑ رمضان میں نازل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قرآن کا ورد کیا کرتے تھے۔ آنحضور ﷺ خود بھی کثرت کے ساتھ رمضان میں تلاوت فرماتے اور صحابہ کرامؓ کو بھی کثرت کے ساتھ رمضان میں تلاوت کرنے کی ہدایت فرماتے۔

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهُ أَمَدًا بَعِيْدًا وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهُ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ۝ (آل عمران:31)

ترجمہ: جس دن ہر جان جو نیکی بھی اس نے کی ہو گی اُسے اپنے سامنے حاضر پائے گی اور اس بدی کو بھی جو اس نے کی ہو گی۔ وہ تمنا کرے گی کہ کاش اس کے اور اس (بدی) کے در میان بہت دور کا فاصلہ ہوتا اور اللہ تمہیں اپنے آپ سے خبر دار کر تا ہے حالانکہ اللہ بندوں سے بہت مہربانی سے پیش آنے والا ہے۔

حضرت ابراہیم تیمیؒ ایک بزرگ گزرے ہیں ۔وہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے نفس کو سمجھانے کیلئے اسے تصوّراتی جنت میں لے گیا۔ میرے نفس نے وہاں کے مزیدار پھل کھائے اور شیریں نہروں سے پانی پیا اور جنت کے مزے اڑائے ۔پھر میں اپنے نفس کو لے کر دوزخ گیاوہاں اسے زقّوم کا درخت کھانے کو ملا اور زخموں کے دھوون اور پیپ اور کھولتا ہوا پانی پینے کے لئے اور آگ اور بیڑیوں میں قید کیا گیا۔ تب میں نے اسے پوچھا بتا کیا چاہتا ہے تو ؟ میرے نفس نے جواب دیا أُرِيْدُ أَنْ أَرُدَّ إِلَى الدُّنْيَا فَأَعْمَلَ صَالِحًا کہ میں چاہتا ہوں کہ دنیا میں لوٹ جاؤں اور نیک عمل بجالاؤں تا کہ جنت میں داخل ہوں تب میں نے اپنے نفس سے کہا دیکھ تیری تمنا تجھے مل گئی۔تودنیامیں ہےاس لئے نیک عمل بجالااورگناہوں سےدوررہ۔ (محاسبۃ النفس لابن أبي الدنیا ،اجھاز النفس فی الاعمال)

ماہ رمضان اصلاح نفس کا مہینہ ہے اور خدا تعالیٰ اس بابرکت مہینہ میں ہمیں ایک ایساماحول فراہم کرتا ہے کہ ہم اس میں اپنی اصلاح کر سکیں جیسا کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب ماہ رمضان آتا ہے تو فُتِّحَتْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَغُلِّقَتْ أَبْوَابُ جَهَنَّمَ وَسُلْسِلَتِ الشَّيَاطِيْنُ یعنی جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جہنم کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ اور شیاطین کو جکڑ دیا جاتا ہے۔

(صحیح البخاری، کتاب الصوم،ھل یقال رمضان أو شھر رمضان)

سو جب سب ایک جہت کو چلنے لگ جائیں تو اس جہت میں چلنا آسان ہو جاتا ہے کیونکہ کوئی روک پیش قدمی سے روکتی نہیں۔ پس جب ایک چیز دوسری چیز کی ممد بن جائے اور ایک کام کرنے سے دوسرے کام آسان ہو جائیں تو پیش قدمی تیز کر دینی چاہیئے ۔ اس لئے آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ روزہ (گناہوں کے خلاف ایک حفاظتی تدبیر ہے ۔ پس روزہ رکھنے والے کو چاہیئے کہ وہ لَا يَرْفُثْ وَلَا يَجْهَلْ کہ نہ زبان سے کوئی گناہ کرے اور نہ اپنےدوسرے اعضاء کو کسی ایسے کام میں لگائے جس سے خداتعالیٰ ناراض ہو جائے۔ (صحیح البخاري، کتاب الصوم، ھل یقول إني صائم)

سو روزے کا ایک ہدف ہے جو اس ہدف کو پورا نہیں کر رہا تو اس کے روزہ رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ مَنْ لَمْ يَدَعْ قَوْلَ الزُّوْرِ وَالْعَمَلَ بِهٖ جو شخص جھوٹ بولنا اور اس پر عمل کرنانہ چھوڑے۔ تو خدا کو اس کے بھوکا پیاسارہنے کی کوئی حاجت نہیں۔

(صحیح البخاری،کتاب الصوم،من لم یدع قول الزور)

کیونکہ روزہ تو جائز کاموں سے رکنے کا صبر پیدا کر دیتا ہے تو ایسے میں ناجائز کام کیسے ہو سکتے ہیں۔

آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ الصِّيَامُ نِصْفُ الصَّبْرِ یعنی روزے تو آدھا صبر ہیں۔

(سنن ابن ماجہ، کتاب الصیام، في الصوم زكاة الجسد)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ رمضان کا مہینہ صبر کا مہینہ کہلاتا ہے کیونکہ اپنی خواہشات پر صبر کرنا ہے،اپنے غصّوں پر صبر کرنا ہے،نیکیوں پر جم کے بیٹھنا ہے۔ بدیوں کی طرف جو تحریک ہے اس کا مقابلہ کر کے رک جانا ہے ۔ ان سب چیزوں کو صبر کہا جاتا ہے۔

(خطباتِ طاہر جلد15 صفحہ 75)

بہر حال اس ماحول سے وہ فائدہ اٹھا سکتا ہے جو ایمان کی طرف توجہ دے، اپنا محاسبہ بھی کرتا چلا جائے جیسا کہ ہمارے پیارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ فرماتے ہیں: مَنْ صَامَ رَمَضَانَ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ یعنی جس نے رمضان کے روزےایمان اور اپنا محاسبہ نفس کرتے ہوئے رکھے ۔ اس کے رمضان سے پہلے کئے گئے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔

(سنن أبي داوود،کتاب الصلاۃ،باب فی قیام شھر رمضان)

لیکن جو اس مہینہ میں اپنے ایمان کی طرف توجہ نہیں دیتا اور نہ اپنے محاسبہ کے ذریعہ اپنے اندر اصلاح پیدا کر تا ہے تو آپ ﷺ نے اس کے لئے فرمایا ہے کہ رَغِمَ أَنْفُ رَجُلٍ دَخَلَ عَلَيْهِ رَمَضَانَ ثُمَّ انْسَلَخَ قَبْلَ أَنْ يُّغْفَرَ لَهٗ کہ مٹی میں ملے اس کی ناک جس پر رمضان کا مہینہ آیا اور گزر گیا لیکن اس سے قبل اس کے گناہ نہ بخشے گئے۔ (سنن الترمذی،کتاب الدعوات،قول رسول اللہ رغم أنف رجل)

حضرت اقدس مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔

’’اپنے دلوں کو ہر دم ٹٹولتے رہو اور جیسے پان کھانے والا اپنے پانوں کو پھیرتا رہتا ہے اور ردی ٹکڑے کو کاٹتا ہے اور باہر پھینکتا ہے۔ اسی طرح تم بھی اپنے دلوں کے مخفی خیالات اور مخفی عادات اور مخفی جذبات اور مخفی ملکات کو اپنی نظر کے سامنے پھیرتے رہو اور جس خیال یا عادت یا ملکہ کو ردّی پاؤ اس کو کاٹ کر باہر پھینکو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے سارے دل کو ناپاک کر دے اور پھر تم کاٹے جاؤ‘‘ (روحانی خزائن جلد 2 صفحہ 547،548)

خدا تعالیٰ بھی انسان کے اعمال کا روزنامچہ بناتا ہے۔ پس انسان کو بھی اپنے حالات کا ایک روزنامچہ تیار کرنا چاہیئے اور اس میں غور کرنا چاہیئے کہ نیکی میں کہاں تک قدم آگے رکھا ہے۔ انسان کا آج اور کل برابر نہیں ہونے چاہئیں۔ جس کا آج اور کل اس لحاظ سے کہ نیکی میں کیا ترقی کی ہے برابر ہو گیا وہ گھاٹے میں ہے۔ (ملفوظاتِ احمد جلد 5 صفحہ 455)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

’’روزوں میں ہر شخص کو اپنے نفس کا بھی محاسبہ کرتے رہنا چاہیئے۔ دیکھتے رہنا چاہیئے کہ یہ رمضان کا مہینہ ہے اس میں میں جائزہ لوں کہ میرے میں کیا کیا برائیاں ہیں، ان کا جائزہ لوں ۔ ان میں سے کون کون سی برائیاں ہیں جو میں آسانی سے چھوڑ سکتا ہوں ان کو چھوڑوں ۔ کون کون سی نیکیاں ہیں جو میں نہیں کر سکتا یا میں نہیں کر رہا۔ اور کون کون سی نیکیاں ہیں جو میں اختیار کرنے کی کوشش کروں۔ تو اگر ہر شخص ایک دو نیکیاں اختیار کرنے کی کوشش کرے اور ایک دو برائیاں چھوڑنے کی کوشش کرے اور اس پر پھر قائم رہے تو سمجھیں کہ آپ نے رمضان کی برکات سے ایک بہت بڑی برکت سے فائدہ اٹھالیا۔‘‘ (خطباتِ مسرور جلد1ص 418)

اللہ تعالیٰ ہمیں روزوں کی غایت سمجھنے اور اسے حاصل کرنے کی توفیق دے، اور ہم سے ایسا راضی ہو کہ پھر کبھی ناراض نہ ہو۔ آمین **(ابو سعید)**

****

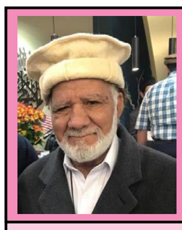

وہ جب بھی نظر آئے ہمیں جلسہ نظر آئے

(جلسہ سالانہ یوکے کے التوا پر)

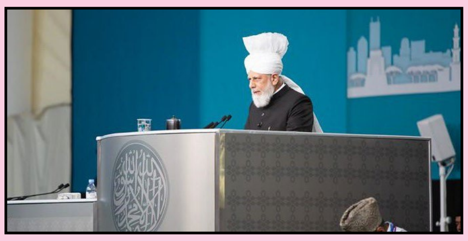

منبر پر کھڑا ہو کہ وہ بیٹھا نظر آئے
ہر حال میں اک چاند چمکتا نظر آئے
اک بار جو دیکھے وہ محبت کی نظر سے
ماحول پہ اک نور برستا نظر آئے
ہم اپنی تمناؤں کے آشاؤں کے بیمار
جب دیکھیں اسے ہم کو وہ اچھا نظر آئے
تھوڑی سی مشقت سے بدن ٹوٹے ہے اپنا
وہ سب کا مگر بوجھ اٹھاتا نظر آئے
اس کی ہی دعا سے میرا ایماں ہے مکمل
یوں وہ میرے ایماں کا حصہ نظر آئے
وہ بولے تو الفاظ کا اک شہد ملا دودھ
اک شان سے رگ رگ میں اترتا نظر آئے
اک ذات سے وابستہ دل و جاں کی ہے رونق
وہ جب بھی نظر آئے ہمیں جلسہ نظر آئے

عبدالکریم قدسی۔امریکہ

خطبہ جمعہ

سیّدنا حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ فرمودہ 17۔اپریل 2020ء اسلام آباد، ٹلفورڈ، (سرے)، یوکے

آنحضرت ﷺ کے عظیم المرتبت بدری صحابی حضرت معاذ بن حارث رضی اللہ عنہ کے اوصافِ حمیدہ کا تذکرہ اور دو مسلمان نوجوانوں کے ہاتھوں سردارِ کفار ابوجہل کی ہلاکت کی تفصیلات

حضرت معاذؓ وہی تھے جنہوں نے حضرت معوذؓ کے ساتھ ابوجہل پر غزوۂ بدر میں حملہ کیا اور دشمن کی ذرہ بھر پرواہ نہ کی یہاں تک آپ کا بازو تقریباً کٹ گیا تو آپؓ نے کھینچ کر جسم سے الگ کر دیا

خلافت کے کامل اطاعت گزار اور خلافت سے نہایت محبت اور عشق کرنے والے ،دلیر، بہادر اور کلمے کی حفاظت کرنے والے،اسیر راہِ مولیٰ، وفادار خادمِ سلسلہ ، عملہ حفاظتِ خاص کے کارکن محترم رانا نعیم الدین کی وفات پر ان کا ذکرِ خیر

دوران اکتوبر 1984ء میں احمدیہ بیت الذکر ساہیوال پر جب مخالفین نے حملہ کیا تو یہ اس میں حفاظتی ڈیوٹی پر مامور تھے اور انہوں نے اس کا جواب دیا تو رانا نعیم الدین صاحب کے ساتھ کل گیارہ افراد کے خلاف مقدمہ درج ہوا اور اس طرح رانا صاحب کو 26۔اکتوبر 1984ء سے مارچ 1994ء تک اسیرراہ مولیٰ رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

آج کل کی مرض کے حوالے سے یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اپنے بعض احمدی مریض ہیں ان کے لیے بھی دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ سب کو شفائے کاملہ عطا فرمائے اور ہمیں بھی اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔

أَمَّا بَعْدُ فَأَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ- بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۱﴾

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۳﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۴﴾ إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۵﴾

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۶﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۵ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾

آج بدری صحابہؓ میں سے حضرت معاذ بن حارثؓ کا میں ذکر کروں گا۔ حضرت معاذؓ کا تعلق انصار کے قبیلہ خزرج کی شاخ بنو مالک بن نجار سے تھا۔ حضرت معاذؓ کے والد کا نام حارث بن رفاعہ تھا۔ ان کی والدہ کا نام عفراء بنت عُبَید تھا۔ حضرت معوذؓ اور حضرت عوفؓ ان کے بھائی تھے۔ یہ تینوں بھائی اپنے والد کے علاوہ اپنی والدہ کی طرف بھی منسوب ہوتے تھے اور ان تینوں کو بنو عفراء بھی کہا جاتا تھا۔ حضرت معاذؓ اور ان کے دو بھائی حضرت عوفؓ اور حضرت معوذؓ غزوۂ بدر میں شامل ہوئے۔ حضرت عوفؓ اور حضرت معوذؓ دونوں غزوۂ بدر میں شہید ہو گئے مگر حضرت معاذؓ بعد کے تمام غزوات میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ شریک رہے۔ ایک روایت کے مطابق حضرت معاذ بن حارثؓ اور حضرت رافع بن مالک زُرَقیؓ ان اولین انصار میں سے ہیں جو حضور اکرمؐ پر مکّے میں ایمان لائے تھے اور حضرت معاذؓ ان آٹھ انصار میں شامل ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بیعتِ عقبہ اولیٰ کے موقع پر مکے میں ایمان لائے۔ اسی طرح بیعت عقبہ ثانیہ میں بھی حضرت معاذؓ حاضر تھے۔ حضرت مَعْمَر بن حَارِثؓ جب مکے سے ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے اور حضرت معاذ بن حارثؓ کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی۔

(اسد الغابہ جلد ۵ صفحہ 190 - 191 حضرت مُعاذبنُ اَلحَارِث بن رِفَاعَة دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان 2003ء)

(الطبقات الکبریٰ لابن سعد الجزء الثالث صفحہ 374 حضرت مُعاذبنُ اَلحَارِث دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان 1990ء)

ابوجہل کے قتل کی تفصیل گو پہلے گذشتہ سال کے ایک خطبے میں کچھ حد تک بیان ہو چکی ہے (خطبہ جمعہ 5۔ اپریل 2019ء بحوالہ الفضل انٹرنیشنل 26۔اپریل 2019ء) لیکن یہاں بھی یہ بیان کرتا ہوں۔ یہ بھی ضروری ہے کیونکہ حضرت معاذؓ سے بھی اس کا تعلق ہے اور یہ بخاری کی روایات ہیں جو بیان کروں گا اور خلاصہ تو ان کا بیان نہیں ہو سکتا ، بخاری کی پوری روایت ہی پڑھنی ہو گی۔

صالح بن ابراہیم اپنے دادا حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے بتایا کہ میں بدر کی لڑائی میں صف میں کھڑا تھا کہ میں نے اپنے دائیں بائیں نظر ڈالی تو کیا دیکھتا ہوں کہ دو انصاری لڑکے ہیں۔ ان کی عمریں چھوٹی ہیں۔ میں نے آرزو کی کہ کاش میں ایسے لوگوں کے درمیان ہوتا جو ان سے زیادہ جوان اور تنو مند ہوتے۔ اتنے میں ان میں سے ایک نے مجھے ہاتھ سے دبا کر پوچھا کہ چچا کیا آپ ابوجہل کو پہچانتے ہیں؟ میں نے کہا ہاں بھتیجے۔ تمہیں اس سے کیا کام ہے؟ اس نے کہا مجھے بتلایا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے اور اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں اس کو دیکھ پاؤں تو میری آنکھ اس کی آنکھ سے جدا نہ ہو گی جب تک ہم دونوں میں سے وہ نہ مر جائے جس کی مدت پہلے مقدر ہے۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا کہ مجھے اس سے بڑا تعجب ہوا۔ پھر دوسرے نے مجھے ہاتھ سے دبایا۔ دوسری طرف جو کھڑا تھا اور اس نے بھی مجھے اسی طرح پوچھا۔ ابھی تھوڑا عرصہ گزرا ہو گا کہ میں نے ابوجہل کو لوگوں میں چکر لگاتے دیکھا۔ میں نے کہا دیکھو یہ ہے وہ تمہارا ساتھی جس کے متعلق تم نے مجھ سے دریافت کیا تھا۔ یہ سنتے ہی وہ دونوں جلدی سے اپنی تلواریں لیے اس کی طرف لپکے اور اسے اتنا مارا کہ اس کو جان سے مار ڈالا اور پھر لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپؐ کو خبر دی۔ آپؐ نے پوچھا تم میں سے کس نے اس کو مارا ہے۔ دونوں نے کہا میں نے اس کو مارا ہے۔ آپؐ نے پوچھا کیا تم نے اپنی تلواریں پونچھ کر صاف کر لی ہیں؟ انہوں نے کہا نہیں۔ آپؐ نے تلواروں کو دیکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم دونوں نے ہی اس کو مارا ہے۔ پھر فرمایا کہ اس کا مال معاذ بن عمرو بن جموح کو ملے گا اور ان دونوں کا نام معاذ تھا۔ مُعَاذ بن عفراء اور مُعَاذ بن عَمْرو بن جَمُوح یہ صحیح بخاری کی روایت ہے۔

(صحیح البخاری کتاب فرض الخمس باب من لم یخمس الاسلاب......... حدیث 3141)

حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر کے دن فرمایا کون دیکھے گا کہ ابوجہل کا کیا حال ہوا ہے؟ حضرت ابن مسعودؓ گئے اور جا کر دیکھا کہ اس کو عفراء کے دونوں بیٹوں حضرت معاذؓ اور حضرت معوذؓ نے تلواروں سے اتنا مارا ہے کہ وہ مرنے کے قریب ہو گیا ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ نے پوچھا کیا تم ابو جہل ہو؟ حضرت ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ انہوں نے ابوجہل کی داڑھی پکڑی۔ ابوجہل کہنے لگا کیا اُس سے بڑھ کر بھی کوئی شخص ہے جس کو تم نے مارا ہے یا یہ کہا کہ اُس شخص سے بڑھ کر کوئی ہے جس کو اس کی قوم نے مارا ہو۔ احمد بن یونس نے اپنی روایت میں یوں کہا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے یہ الفاظ کہے کہ تم ہی ابوجہل ہو؟ یہ بھی بخاری کی حدیث ہے۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی باب قتل ابی جھل حدیث 3962)

بخاری کی جو روایت ہے اس حدیث کی شرح میں حضرت سید زین العابدین ولی اللہ شاہ صاحبؓ درج کرتے ہیں کہ بعض روایات میں ہے کہ عفراء کے دو بیٹوں معوذؓ اور معاذؓ نے ابوجہل کو موت کے قریب پہنچا دیا تھا۔ بعد ازاں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کا سر تن سے جدا کیا تھا۔ بخاری کتاب المغازی میں یہ ہے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی نے اس احتمال کا اظہار کیا ہے کہ معاذ بن عمروؓ اور معاذ بن عفراءؓ کے بعد

معوذ بن عفراءؓ نے بھی اس پر وار کیا ہو گا۔

(ماخوذ از صحیح البخاری کتاب فرض الخمس جلد 5 صفحہ 491حاشیہ)

غزوۂ بدر کے موقع پر ابوجہل کے قتل میں کون کون شریک تھا۔ اس کے بارے میں ایک جگہ تفصیل یوں ملتی ہے۔

ابن ہشام نے علامہ ابن اسحاق سے روایت کی ہے کہ مُعاذ بن عَمرو بن جَموحؓ نے ابوجہل کی ٹانگ کاٹی تھی جس کے نتیجے میں وہ گر گیا اور عکرمہ بن ابوجہل نے حضرت معاذؓ کے ہاتھ پر تلوار ماری جس کے نتیجے میں وہ ہاتھ یا بازو الگ ہو گیا ۔ پھر مُعوذ بن عَفراءؓ نے ابوجہل پر حملہ کیا جس کے نتیجے میں وہ نیچے گر گیا اور اس میں زندگی کی کچھ رمق ابھی باقی تھی کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مقتولین میں ابوجہل کو تلاش کرنے کا حکم دیا تھا۔ یعنی جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا تھا کہ ابوجہل کو مقتولین میں تلاش کریں تو اس وقت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس کا سر تن سے جدا کیا۔ صحیح مسلم کی حدیث کے مطابق عفراء کے دو بیٹوں نے ابوجہل پر حملہ کیا تھا یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ اسی طرح بخاری میں باب قتلِ ابی جہل میں بھی ایسا ہی ذکر ہے۔ امام قرطبیؒ کے نزدیک یہ وہم ہے کہ عفراء کے دو بیٹوں نے ابوجہل کو قتل کیا تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ بعض راویوں پر معاذ بن عَمرو بن جموحؓ مشتبہ ہو گئے یعنی معاذ بن عَفراءؓ کی بجائے وہ معاذ بن عَمرو بن جموحؓ تھے جنہیں لوگ سمجھے کہ معاذ بن عفراءؓ ہیں۔ کہتے ہیں معاذ بن عمرو بن جموحؓ معاذ بن عفراءؓ کے ساتھ مشتبہ ہو گئے ہیں۔ علامہ ابن الجوزی کہتے ہیں کہ معاذ بن جموحؓ، عفراء کی اولاد میں سے نہیں اور معاذ بن عفراءؓ ابوجہل کو قتل کرنے والوں میں شامل تھا ۔ شاید معاذ بن عفراء کا کوئی بھائی یا چچا اس وقت موجود ہو یا روایت میں عفراء کے ایک بیٹے کا ذکر ہو اور راوی نے غلطی سے دو بیٹوں کا کہہ دیا ہو۔ بہرحال ابوعمر کہتے ہیں کہ اس روایت کی نسبت حضرت انس بن مالکؓ کی حدیث زیادہ صحیح ہے جس میں ہے کہ ابن عفراء نے ابوجہل کو قتل کیا تھا یعنی عفراء کا ایک بیٹا تھا۔ ابن تِیْن کہتے ہیں کہ اس بات کا احتمال موجود ہے کہ دونوں معاذؓ یعنی معاذ بن عمرو بن جموحؓ اور معاذ بن عفراءؓ ماں کی طرف سے بھائی ہوں یا دونوں رضاعی بھائی ہوں۔ علامہ داؤدی نے عفراء کے دونوں بیٹوں سے مراد سہل اور سہیل لیے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ وہ دونوں معوذ اور معاذ ہیں۔

(عمدۃ القاری جلد 15 صفحہ 100-101 مطبوعہ دار الفکر بیروت)

بہرحال یہ روایتیں آتی ہیں کہ تین نے قتل کیا ۔بعض میں دو نے اور ان میں حضرت معاذ بن حارثؓ کا بھی ذکر ملتا ہے۔

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ نے غزوہ ٔبدر کے جو حالات لکھے ہیں اور جس میں ابوجہل کے قتل کا واقعہ لکھا ہے اس کا ذکر اس طرح کیا ہے کہ

’’میدانِ کارزار میں کشت وخون کامیدان گرم تھا۔ مسلمانوں کے سامنے ان سے سہ چند جماعت تھی۔‘‘ تین گنا جماعت تھی ’’جو ہرقسم کے سامانِ حرب سے آراستہ ہوکر اس عزم کے ساتھ میدان میں نکلی تھی کہ اسلام کا نام ونشان مٹا دیا جاوے اور مسلمان بیچارے تعداد میں تھوڑے، سامان میں تھوڑے، غربت اور بے وطنی کے صدمات کے مارے ہوئے ظاہری اسباب کے لحاظ سے اہلِ مکہ کے سامنے چند منٹوں کا شکار تھے مگر توحید اور رسالت کی محبت نے انہیں متوالا بنا رکھا تھا اور اس چیز نے جس سے زیادہ طاقتور دنیا میں کوئی چیز نہیں یعنی زندہ ایمان نے ان کے اندر ایک فوق العادت طاقت بھر دی تھی۔ وہ اس وقت میدانِ جنگ میں خدمتِ دین کا وہ نمونہ دکھا رہے تھے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ہر اک شخص دوسرے سے بڑھ کر قدم مارتا تھا اور خدا کی راہ میں جان دینے کے لیے بے قرار نظر آتا تھا۔ حمزہؓ اور علیؓ اور زبیرؓ نے دشمن کی صفوں کی صفیں کاٹ کر رکھ دیں۔ انصار کے جوشِ اخلاص کا یہ عالم تھا کہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ روایت کرتے ہیں کہ جب عام جنگ شروع ہوئی تو میں نے اپنے دائیں بائیں نظر ڈالی مگر کیا دیکھتا ہوں کہ انصار کے دو نوجوان لڑکے میرے پہلو بہ پہلو کھڑے ہیں۔ انہیں دیکھ کر میرا دل کچھ بیٹھ سا گیا کیونکہ ایسے جنگوں میں دائیں بائیں کے ساتھیوں پر لڑائی کا بہت انحصار ہوتا تھا اور وہی شخص اچھی طرح لڑ سکتا ہے جس کے پہلو محفوظ ہوں۔ مگر عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ میں اس خیال میں ہی تھا کہ ان لڑکوں میں سے ایک نے مجھ سے آہستہ سے پوچھا کہ گویا وہ دوسرے سے اپنی یہ بات مخفی رکھنا چاہتا ہے۔‘‘ یہ چاہتا ہے کہ دوسرے کو پتا نہ لگے جو دوسری طرف کھڑا ہے ’’کہ چچا وہ ابو جہل کہاں ہے جومکہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ دیا کرتا تھا۔ میں نے خدا سے عہد کیا ہوا ہے کہ میں اسے قتل کروں گا یا قتل کرنے کی کوشش میں مارا جاؤں گا۔ میں نے ابھی اس کا جواب نہیں دیا تھا۔‘‘ عبدالرحمٰن بن عوف کہتے ہیں کہ میں نے ابھی جواب نہیں دیا تھا۔ ’’کہ دوسری طرف سے دوسرے نے بھی اسی طرح آہستہ سے یہی سوال کیا۔ میں ان کی یہ جرأت دیکھ کر حیران سا رہ گیا کیونکہ ابوجہل گویا سردارِلشکر تھا اور اس کے چاروں طرف آزمودہ کار سپاہی جمع تھے۔ میں نے ہاتھ سے اشارہ کرکے کہا کہ وہ ابوجہل ہے۔ عبدالرحمٰنؓ کہتے ہیں کہ میرا اشارہ کرنا تھا کہ وہ دونوں بچے باز کی طرح جھپٹے اور دشمن کی صفیں کاٹتے ہوئے ایک آن کی آن میں وہاں پہنچ گئے اور اس تیزی سے وار کیا کہ ابوجہل اوراس کے ساتھی دیکھتے کے دیکھتے رہ گئے اور ابوجہل خاک پر تھا۔ عکرمہ بن ابوجہل بھی اپنے باپ کے ساتھ تھا وہ اپنے باپ کو تو بچا نہ سکا مگر اس نے پیچھے سے معاذؓ پر ایسا وار کیا کہ اس کا بایاں بازو کٹ کر لٹکنے لگا۔ معاذؓ نے عکرمہ کا پیچھا کیا مگر وہ بچ کر نکل گیا چونکہ کٹا ہوا بازو لڑنے میں مزاحم ہوتا تھا۔ معاذ نے اسے زور سے کھینچ کراپنے جسم سے الگ کردیا اور پھر لڑنے لگ گئے۔‘‘

(سیرت خاتم النبیینؐ از حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔ اے صفحہ 362)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ واقعہ کو بیان کرتے ہوئے اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ ’’ابوجہل جس کی پیدائش پر ہفتوں اونٹ ذبح کر کے لوگوں میں گوشت تقسیم کیا گیا تھا۔ جس کی پیدائش پر دفوں کی آواز سے مکہ کی فضا گونج اٹھی تھی۔‘‘ بڑے ڈھول ڈھمکے بجائے جا رہے تھے اور بڑے باجے بجائے جا رہے تھے، دف بجائے جا رہے تھے اور اس کی پیدائش پر بڑی خوشی منائی جا رہی تھی کہ مکہ کی فضا بھی گونج اٹھی تھی۔ پھر لکھتے ہیں کہ ’’بدر کی لڑائی میں جب مارا جاتا ہے تو پندرہ پندرہ سال کے دو انصاری چھوکرے تھے جنہوں نے اسے زخمی کیا تھا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ جب جنگ کے بعد لوگ واپس جا رہے تھے تو میں میدان میں زخمیوں کو دیکھنے کے لیے چلا گیا۔ آپؓ بھی مکہ کے ہی تھے اس لیے ابوجہل آپؓ کو اچھی طرح جانتا تھا۔ آپؓ فرماتے ہیں کہ میں میدان جنگ میں پھر ہی رہا تھا کیا دیکھتا ہوں کہ ابوجہل زخمی پڑا کراہ رہا ہے۔ جب میں اس کے پاس پہنچا تو اس نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ میں اب بچتا نظر نہیں آتا۔ تکلیف زیادہ بڑھ گئی ہے۔ تم بھی مکہ والے ہو۔ میں یہ خواہش کرتا ہوں کہ تم مجھے مار دو تا میری تکلیف دور ہو جائے لیکن تم جانتے ہو کہ میں عرب کا سردار ہوں اور عرب میں یہ رواج ہے کہ سرداروں کی گردنیں لمبی کر کے کاٹی جاتی ہیں اور یہ مقتول کی سرداری کی علامت ہوتی ہے۔ میری یہ خواہش ہے کہ تم میری گردن لمبی کر کے کاٹنا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کی گردن ٹھوڑی سے کاٹ دی۔‘‘ ٹھوڑی کے قریب سے کاٹی ’’اور کہا تیری یہ آخری حسرت بھی پوری نہیں کی جائے گی۔ اب انجام کے لحاظ سے دیکھو تو ابوجہل کی موت کتنی ذلت کی موت تھی۔ جس کی گردن اپنی زندگی میں ہمیشہ اونچی رہا کرتی تھی وفات کے وقت اس کی گردن ٹھوڑی سے کاٹی گئی اور اس کی یہ آخری حسرت بھی پوری نہ ہوئی۔‘‘ (تفسیر کبیر جلد 7 صفحہ 101)

حضرت رُبَیّعؓ بنتِ مُعَوِّذؓ سے مروی ہے کہ میرے چچا حضرت مُعاذ بن عَفراءؓ نے مجھے کچھ تروتازہ کھجوریں دے کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے زیور عطا فرمایا جو بحرین کے حاکم نے آپؐ کو بطور ہدیہ بھیجا تھا ۔ ایک اَور روایت میں ہے کہ حضرت رُبَیّعؓ بنتِ معوذؓ سے روایت ہے کہ میرے چچا حضرت مُعاذؓ نے میرے ہاتھ ایک ہدیہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا تو آپؐ نے اسے زیور عطا فرمایا جو بحرین کے حاکم کی طرف سے آپؐ کو ملا تھا۔ علامہ ابن اَثیر لکھتے ہیں کہ بحرین کے حاکم اور دیگر بادشاہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تب تحائف وغیرہ بھیجے تھے جب اسلام وسعت اختیار کر چکا تھا اور آپؐ نے بادشاہوں کے نام خطوط لکھے تھے اور انہیں تحائف ارسال فرمائے تھے۔ تو انہوں نے بھی آپ کی خدمت میں خطوط لکھے اور اپنے تحائف ارسال کیے۔

(اسد الغابہ جلد 5 صفحہ 192 ’’حضرت مُعَاذ بِنْ اَلْحَارِث بن رِفَاعَة‘‘ دارالکتب العلمیہ بیروت لبنان 2003ء)

حضرت معاذ بن حارثؓ نے چار شادیاں کی تھیں جن کی تفصیل یہ ہے۔ حَبِیبہ بنتِ قَیس۔ ان سے ایک بیٹا عُبَیدُاللہ پیدا ہوا۔ دوسری شادی ام حارث بنت سَبُرَہ سے تھی ان سے حارث ، عوف، سلمٰی، ام عبداللہ اور رَملَہ پیدا ہوئے۔ ام عبداللہ بنت نُمیرِ تیسری بیوی تھیں۔ ان سے ابراہیم اور عائشہ پیدا ہوئے۔ ام ثابت رَملَہ بنتِ حارث چوتھی تھیں ان سے سارہ پیدا ہوئیں۔

(الطبقات الکبریٰ الجزء الثالث صفحہ 373-374 ’’حضرت مُعَاذبِنْ اَلْحَارِث‘‘ دارالکتب العلمیۃ بیروت لبنان 1990ء)

علامہ ابن اَثیر نے اپنی تصنیف اُسد الغابہ میں حضرت معاذؓ کی وفات کے متعلق مختلف اقوال درج کیے ہیں۔ ایک قول کے مطابق حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ غزوۂ بدر میں زخمی ہوئے اور مدینہ واپس آنے کے بعد ان زخموں کی وجہ سے ان کی وفات ہوئی۔ ایک قول کے مطابق وہ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت تک زندہ رہے۔ ایک قول کے مطابق وہ حضرت علیؓ کے دورِ خلافت تک زندہ رہے۔ ان کی وفات حضرت علیؓ اور امیر معاویہ کے درمیان جنگِ صِفّین کے دوران ہوئی۔ جنگِ صِفّین چھتیس اور سینتیس ہجری میں ہوئی تھی اور حضرت مُعاذؓ نے حضرت علیؓ کی طرف سے جنگ میں شرکت کی تھی۔

(اسد الغابہ جلد 6 صفحہ 191 حضرت مُعَاذ بِنْ اَلْحَارِث بن رِفَاعَة دار الکتب العلمیہ بیروت لبنان 2003ء)

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب الجزء الثالث صفحہ 1409-1410 ’’حضرت مُعَاذ بِنْ عَفْرَاء‘‘ دارالجیل بیروت)

بہرحال ان کی وفات کے بارے میں مختلف روایتیں ہیں بعض باتیں جو ہیں ان سے یہی پتا لگتا ہے اوراگر یہ وہی ہیں تو ان کی اولاد اور بیویوں کو اگر دیکھا جائے تو انہوں نے لمبی زندگی پائی تھی ۔

ان صحابی کے ذکر کے بعد میں اب مکرم رانا نعیم الدین صاحب ابن مکرم فیروز دین منشی صاحب کا ذکر کروں گا جن کی 09۔اپریل کو وفات ہوئی تھی۔ اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ بڑے عرصے سے بیمار تھے۔ مختلف عوارض سے کئی دفعہ ہسپتال جاتے تھے۔ ڈاکٹر کہتے تھے اب آخری وقت ہے پھر اللہ تعالیٰ فضل فرما دیتا تھا، تو ٹھیک ہو کے آ جاتے تھے اور جب بھی ٹھیک ہوتے تھے، چلنے کے قابل ہوتے تھے تو یہاں مسجد میں بھی آ جایا کرتے تھے ۔ بہرحال ان کی یہ آخری بیماری جان لیوا ثابت ہوئی اور ان کی وفات ہوئی۔

رانا صاحب کی پیدائش جو کاغذات کے مطابق ہے 1934ء کی ہے اور بعض روایات کے مطابق 1930ء یا 32ء کی بنتی ہے۔ بہرحال کاغذات کے مطابق 34ء کی ہے۔ اس لحاظ سے چھیاسی سال عمر تھی۔ ان کے خاندان میں احمدیت کا نفوذ ان کے والد محترم فیروز دین صاحب کے ذریعے سے ہوا تھا جنہوں نے 1906ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بذریعہ خط بیعت کی تھی اور پھر تقسیمِ ملک کے بعد جب ہندوستان اور پاکستان کی پارٹیشن ہوئی ہے یہ خاندان پاکستان شفٹ ہو گیا اور پہلے لاہور میں ہی رہے۔ پھر 1948ء میں رانا صاحب ربوہ آ گئے۔ پھر انہوں نے اپنے آپ کو فرقان بٹالین کے لیے پیش کیا اور فرقان بٹالین کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رانا صاحب کو میر پور خاص کے قریب زمینوں پر بھجوا دیا جہاں یہ چند سال رہے۔ نظامِ وصیت میں بہت پرانے شامل ہیں۔ 1951ء سے

ان کی وصیت ہے۔ ان کی اہلیہ کا نام سارہ پروین تھا جو حضرت چوہدری دولت خان صاحب صحابی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی پوتی تھیں۔ پھر ان کے بارے میں دفتر کا جو ریکارڈ ہے عملہ حفاظتِ خاص کا جو آفس آرڈر کا رجسٹر ہے اس کے مطابق رانا نعیم الدین صاحب کا 3 اگست 1954ء کو ریزرو آن ڈیوٹی کے طور پر تقرر ہوا اور اس کے بعد پھر نومبر 1955ء سے 11 مئی 1959ء تک عملہ حفاظتِ خاص میں بطور گارڈ رہے۔ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تفسیر کے کام کے سلسلے میں نخلہ، جابہ جایا کرتے تھے اور کئی کئی مہینے وہاں قیام فرمایا کرتے تھے تو مرحوم کی بھی اس وقت وہاں حفاظت اور جنریٹر کی دیکھ بھال کی ڈیوٹی تھی۔ وہاں بجلی تو تھی نہیں ڈیزل کا جنریٹر چلتا تھا۔ عمومی طور پر یہ ایک چھوٹی سی جگہ آباد کی گئی تھی اور اس کی آبادی کی حفاظت کی ذمہ داری بھی تھی۔

دفتر وصیت کے ریکارڈ کے مطابق 1978ء میں عملہ حفاظت سے فارغ ہوئے اور پھرہڑپہ ضلع ساہیوال چلے گئے اور بعد ازاں ساہیوال مسجد میں بطور خادم مسجد خدمت کرتے رہے۔ اس دوران اکتوبر 1984ء میں احمدیہ بیت الذکر ساہیوال پر جب مخالفین نے حملہ کیا تو یہ اس میں حفاظتی ڈیوٹی پر مامور تھے اور انہوں نے اس کا جواب دیا تو رانا نعیم الدین صاحب کے ساتھ کل گیارہ افراد کے خلاف مقدمہ درج ہوا اور اس طرح رانا صاحب کو 26 اکتوبر 1984ء سے مارچ 1994ء تک اسیرِراہ مولیٰ رہنے کی سعادت نصیب ہوئی۔

پولیس نے یہ حملہ آوروں کے خلاف کارروائی کرنے کی بجائے ہمارے گیارہ احباب جماعت کے خلاف مقدمہ درج کیا اور ان کو سزا ہوئی۔ یہ جو کیس تھا وہ ملٹری کورٹ کو ریفر (refer) کر دیا گیا۔ یہ ضیاء الحق کے زمانے کی خاص عدالت تھی جہاں 16 فروری 85ء سے باقاعدہ سماعت شروع ہوئی اور جون، یکم جون 1985ء تک یہ سماعت جاری رہی اور اس میں پہلے تو کل گیارہ افراد تھے لیکن بعد میں پھر سات احباب جن میں رانا نعیم الدین صاحب بھی شامل تھے ان کا فیصلہ pending کر دیا گیا۔ دو باہر ملک چلے گئے تھے اور دو کو بری کر دیا گیا تھا تو یہ سات افراد جو تھے ان کا معاملہ پینڈنگ تھا۔ بعد میں اسی کورٹ نے جو سپیشل ملٹری کورٹ تھا اس نے الیاس منیر صاحب مربی سلسلہ اور رانا نعیم الدین صاحب کو موت کی سزا سنا دی اور باقی جو پانچ ملزمان تھے ان کو پچیس پچیس سال قید کی سزا سنا دی گئی۔ بہرحال اس فیصلہ کے خلاف اپیل پر لاہور ہائی کورٹ نے مارچ 1994ء میں رہائی کا حکم دیا اور کاغذات کی تکمیل پر 19مارچ 1994ء کو ان کی رہائی عمل میں آئی اور اس طرح یہ جو ہمارے اسیر تھے ان کو ساڑھے نو سال راہِ مولیٰ میں اسیری برداشت کرنے کا شرف حاصل ہوا، اسیر رہنے کا شرف حاصل ہوا۔ مخالفین کی طرف سے ان اسیران کی رہائی کے بارے میں ہائیکورٹ کے فیصلہ کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی گئی اور اس کی ہیئرنگ (hearing) کا مئی 2013ء میں آغاز ہوا تاہم یہ دونوں بیرون ملک تھے تو کوئی پیش رفت نہیں ہوئی اور ابھی تک یہ کیس پینڈنگ ہے۔

دورانِ اسیری پولیس کی طرف سے خاص طور پر تشدد کیا جاتا رہا اور ان سے بیان لینے کی کوشش کی جاتی تھی کہ چونکہ تم اپنے خلیفہ کے باڈی گارڈ رہے ہو اس لیے انہوں نے تمہیں یہ کام کرنے کے لیے بھیجا ہے کہ اس طرح مسلمانوں کو مارو۔ رانا نعیم الدین صاحب اس مقدمے سے رہائی کے بعد 1994ء میں لندن شفٹ ہو گئے اور یہاں بھی اپنی عمر کے لحاظ سے بہت بڑھ کے عملہ حفاظت میں اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتے رہے۔ اور 2010ء میں ان کی بڑی بیٹی کی وفات ہوئی اور پھر چند دن بعد ان کی اہلیہ کی بھی وفات ہو گئی۔ تو پھر انہوں نے مجھ سے پاکستان جانے کا پوچھا تھا۔ حالات ایسے تھے کہ بظاہر مشکل لگتا تھا لیکن بہرحال میں نے کہا کہ جا کے جلدی واپس آ جائیں اور یہ چند دن کے لیے گئے اور پھر واپس آ گئے۔

مرحوم نے پسماندگان میں ایک بیٹا اور چار بیٹیاں یادگار چھوڑی ہیں۔ان کے بیٹے رانا وسیم احمد واقفِ زندگی ہیں۔ پرائیویٹ سیکرٹری یو۔کے کے دفتر میں کام کر رہے ہیں اور چاروں بیٹیاں بھی لندن میں ہی مقیم ہیں۔ ان کے بیٹے لکھتے ہیں کہ ہمارے والد نے ہمیں ہمیشہ یہی سبق دیا کہ خلافت سے چمٹے رہنا اور سب کچھ خلافت سے وابستہ ہے۔ خود بھی خلافت کے شیدائی تھے اور کہتے تھے میں ڈیوٹی پر جاتا ہوں تو خلیفۂ وقت کو دیکھتا ہوں تو جوان ہو جاتا ہوں۔ میری صحت کا راز بھی یہی ہے کہ میں اس عمر میں بھی ڈیوٹی پر آتا ہوں ورنہ میں تو چارپائی سے لگ جاؤں۔ وقت کے بہت پابند تھے۔ ہمیشہ ڈیوٹی کے لیے دو تین گھنٹے پہلے تیار رہتے تھے۔ اگر میں کہتا کہ ابو جان ابھی تو ٹائم بہت ہے تو کہتے کیا ہوا گھر بیٹھ کر کیا کرنا ہے۔

ایک ڈاکٹر ہشام ہیں انہوں نے بھی یہ لکھا کہ میں نے ان کے کاغذات دیکھے، ان کی فائل دیکھی، پڑھی تو میں حیران رہ گیا کہ اس بیماری کے ساتھ اس عمر میں تو بندہ گھر میں بیٹھ جاتا ہے یا کیئر ہوم (care home) میں چلا جاتا ہے لیکن یہ چلتے پھرتے بھی ہیں اور یہی کہا کرتے تھے میری صحت اور چلنے پھرنے کا راز یہی ہے کہ میں آجاؤں اور خلیفۂ وقت کے ساتھ رہوں اور ان کی صحبت میں رہوں۔

ان کے بیٹے رانا صاحب بھی لکھتے ہیں کہ اکثر ان کی مالش کیا کرتا تھا۔ ایک دن میں ان کی ٹانگوں کی مالش کر رہا تھا۔ ان کے گھٹنے کے پاس آیا تو ان کی ہلکی سی آواز نکلی۔ میں نے پوچھا کیا ہواتو کہنے لگے کچھ نہیں۔ بہرحال وہ کہتے ہیں میں نے ذرا اصرار کیا تو کہنے لگے کہ یہ جیل کی چوٹوں کی درد ہے۔ ہمیشہ صبر اور تحمل کا مظاہرہ کیا۔ اور جیل میں جب مارا جاتا ہے تو پاکستانی جیلوں میں بڑے ظالمانہ طریقے سے مارا جاتا ہے۔ بہرحال یہ سب کچھ انہوں نے برداشت کیا اور باہر آ کے بھی ان کا صبر کا معیار بہت بلند تھا۔ کبھی طبیعت خراب ہوتی تو کسی کو نہیں بتاتے تھے بلکہ اکثر یہی کہتے تھے کہ الحمد للہ میں ٹھیک ہوں۔

ان کا خلافت کی اطاعت کا معیار کیا تھا؟ کہتے ہیں ایک دفعہ میں والد صاحب کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور اکثر میں ان سے واقعات سنانے کے لیے کہتا۔ایک دن کہنے لگے کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جابہ نخلہ گئے تھے، جہاں وہ تفسیر لکھ رہے تھے تو میں ان کے ساتھ تھا جیسا کہ میں نے پہلے بتایا کہ وہ وہاں رہے ہیں تو کسی بات پر وہ مجھ سے خفا ہو گئے۔ حضرت خلیفہ ثانیؓ رانا نعیم الدین صاحب سے خفا ہو گئے اور مجھے فرمایا کہ تم مسجد میں چلے جاؤ اور جا کے استغفار کرو۔کہتے ہیں کہ میں مسجد میں چلا گیا۔ جابے میں چھوٹی سی کچی مسجد ہوتی تھی۔ کچا صحن ہوتا تھا۔ مسجد کے صحن میں بیٹھ کر استغفار کرنے لگ گیا۔ اتنے میں تیز آندھی آئی اور بارش شروع ہو گئی مگر میں اپنی جگہ پر بیٹھا استغفار کرتا رہا۔ جب کافی دیر ہو گئی اور مسجد کا ایک سائبان جو لگایا ہوا تھا وہ بھی اڑ گیا تو حضورؓ نے، خلیفہ ثانیؓ نے فرمایا کہ نعیم کدھر گیا ہے۔ کچھ لوگ مجھے ڈھونڈتے ہوئے مسجد میں آئے اور کہا کہ تمہیں حضورؓ بلا رہے ہیں۔ جب میں حضور خلیفہ ثانیؓ کی خدمت میں حاضر ہوا تو حضرت خلیفہ ثانیؓ نے فرمایا کہ مجھے پتا تھا کہ تم ادھر ہی بیٹھے ہو گے۔ جاؤ میں نے تمہیں معاف کیا۔ پھر ان کے یہ بیٹے ہی ان کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب خلیفہ ثانیؓ نے تفسیر لکھنی شروع کی تھی اس وقت والد صاحب کو ان کے پاس رہ کر خدمت کا موقع ملا اور اپنی اس خدمت کا بڑا اظہار کیا کرتے تھے، خوشی کا اظہارکرتے تھے اور یہ ان کی عادت تھی کہ اپنی خوشی تو ہر ایک سے شیئر کرتے تھے مگر غم کبھی کسی کو نہیں بتاتے تھے۔

پھر ان کی خوبیوں میں لکھتے ہیں نہایت شفیق باپ تھے اور سچے دوست تھے۔ رانا وسیم نے جب وقف کیا ہے تو کہتے ہیں میرا وقف قبول ہوا تو مجھے ایک دن کہنے لگے کہ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ ہمیشہ توبہ استغفار کرتے ہوئے اپنے وقف کو نبھانا۔ کبھی کوئی دکھ بھی دے تو چپ کر جانا نہ کہ بحث کرنا اور تمام بات اللہ پر چھوڑ دینا اور صبر کرنا اور صبر کا دامن کبھی ہاتھ سے نہ چھوڑنا۔ اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس طرح مجھے نصیحت کرتے تھے جیسے کہ دوست ہوں۔ اور پھر کہتے ہیں میری اہلیہ جو رانا صاحب کی بہو تھیں ان سے بھی دوستوں کی طرح پیش آتے بلکہ بیٹیوں سے بھی بڑھ کے پیش آتے۔ کہتے ہیں ایک واقعہ انہوں نے مجھے یہ بھی بتایا کہ ربوہ میں والد صاحب کو حضرت اماں جان کی دربانی کا بھی موقع ملا۔ پھر جب انہوں نے خود وصیت کی تو اپنے دوسرے رشتہ داروں کو بھی وصیت کی تلقین کرتے تھے۔ چندے کی بے انتہا پابندی کرتے تھے۔ ہر مہینے کی پہلی تاریخ کو چندہ ادا کرتے اور اس کے بعد باقی خرچ کرتے تھے۔ ہمیشہ خاموشی سے بہت سے لوگوں کی مالی مدد کرتے تھے۔ کبھی کسی سے اس کا ذکر نہیں کیا کرتے تھے۔ ان کی بیٹیاں بیان کرتی ہیں کہ خلافت سے تو ابا جان کا تعلق ایسا تھا کہ رشک آتا تھا۔ خلافت سے محبت تو ان کی رگ رگ میں تھی۔ ہمیشہ جب بھی خلیفہ وقت کا ذکر ہوتا تو آنکھیں نم ہو جاتیں۔

ان کی بیٹی نے افسر کے احترام کا ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک دفعہ ہم سب بہنیں ابو جان کے ساتھ ملاقات کے لیے پرائیویٹ سیکرٹری کے دفتر میں بیٹھی تھیں اور انتظار کر رہی تھیں کہ ملاقات کے لیے اندر جائیں تو اچانک ہم نے دیکھا کہ ابا جان الرٹ ہو کے کھڑے ہو گئے ہیں جیسے ڈیوٹی پہ کھڑے ہوتے تھے۔ ہم حیران ہوئے کہ اچانک کیا ہو گیا ہے۔ جب ہلکا سا سر اٹھا کر دیکھا تو دیکھا کہ نائب افسر حفاظت جو تھے وہ دفتر میں تھے۔ کسی کام سے آئے تھے یا ڈیوٹی کرنے کے لیے آئے تھے اور کہتی ہیں ان کے احترام میں میرے والد کھڑے ہو گئے اور جب تک وہ وہاں رہے وہ وہاں کھڑے رہے اور جب وہ باہر چلے گئے تب ابا جان بیٹھ گئے۔ کہتی ہیں کہ یہ چند ایک منٹ کی بات تھی لیکن ہمیں بہت کچھ سکھا گئی۔ ہمیں ساری عمر یہی نصیحت کی کہ زندگی میں فائدہ لینا ہے تو خلافت سے ایسے چمٹ جاؤ جیسے لوہا مقناطیس کے ساتھ چمٹتا ہے۔اور پھر اب وفات سے چند دن پہلے ہی اپنے بچوں کو عیدی بھی دے کے گئے۔ یہ کہتی ہیں کہ ابا جان نے ہم چاروں بہنوں، بھائی اور بھابھی کو کچھ دن پہلے جب عیدی دی تو ہم نے کہا کہ ابا جان ابھی تو رمضان بھی شروع نہیں ہوا۔ کہنے لگے کہ وقت کا پتا نہیں ہوتا اپنے فرض پورے کرنے میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔

ان کی بہو بیان کرتی ہیں کہ میرا بہت خیال کرتے تھے۔ ہمیشہ باپ بن کے مجھے نصیحت کرتے تھے۔ جب ان کی بہو کے والد کی وفات ہو گئی تو فوراً اپنے بیٹے کو کہا کہ تم دونوں میاں بیوی پاکستان جاؤ اور وہاں ان کے جنازے میں شامل ہو۔ پھر یہ بہو لکھتی ہیں کہ جب بھی رات کے کسی پہر میں میری آنکھ کھلتی تو میں نے ہمیشہ ان کو نماز پڑھتے ہی دیکھا۔ خلافت سے بے انتہا عشق تھا۔ ہر ایک لکھنے والے نے تقریباً یہی لکھا ہے کہ خلافت سے وفا کا بہت تعلق تھا اور کہا کرتے تھے کہ خلافت کی دعاؤں کی بدولت ہی جیل میں رہا ہوں اور خلافت کی دعاؤں سے ہی یہاں ہوں۔ اور کہتے تھے کہ جس ملک کے صدر نے موت کے کاغذ پر دستخط کیے تھے خلافت کی دعاؤں کی وجہ سے اس کا تو پتا نہیں چلا کہ کہاں گیا اور رانا صاحب زندہ نشان بن کر دنیا کے سامنے آ گئے۔

ان کی ایک بیٹی عابدہ ہیں وہ کہتی ہیں کہ ہمارے بچوں کو ایک نصیحت ہمیشہ کرتے تھے کہ خدا سے اور خلافت سے ہمیشہ پختہ تعلق رکھو اور کہتے تھے اسی میں تمہاری بقا ہے۔ ہمیشہ قرآن مجید پڑھنے کی تلقین کرتے رہتے۔ نمازاور تہجد کے پابند تھے۔ کہتی ہیں میں نے کبھی اپنی زندگی میں نہیں دیکھا کہ انہوں نے کبھی تہجد چھوڑی ہو۔ ہمارے لیے وہ دعاؤں کا خزانہ تھے۔ بہت زیادہ مہمان نواز تھے۔ غریب رشتہ داروں کا خیال رکھتے تھے۔ رانا صاحب اپنے والد اور والدہ کا اور پھر اپنی اہلیہ کا مرحومہ کا بھی وفات کے بعد چندہ باقاعدگی سے ادا کیا کرتے تھے۔ کہتی ہیں ایک شعر میں نےان کو ہمیشہ اونچی آواز میں پڑھتے دیکھا اور سنا ہے کہ

ہو فضل تیرا یا رب یا کوئی ابتلا ہو
راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہو

ان کی بیٹی کہتی ہیں کہ امی جان کی وفات کے بعد ہم سب بہنوں کا بہت زیادہ خیال رکھا اوراپنی بہو کے ساتھ بھی بیٹیوں سے بڑھ کے سلوک کیا۔ جو بھی چیز لاتے یا جب عیدی وغیرہ دینی ہوتی تو پہلے بہو کو دیتے اور پھر ہم سب کو دیتے اور ہمیشہ کہتے کہ کسی کی بیٹی کو گھر لائے ہیں اس کا زیادہ خیال رکھنا ہے۔ میں نے خدا کو جواب دینا ہے۔

ایک بیٹی لکھتی ہیں کہ واقعی انہوں نے آزمائش کے وہ دن جو جیل میں گزارے اس کی رضا پر اور دین کی محبت اور خلافت کی محبت میں گزارے ۔ کبھی ان کے منہ سے شکوہ تو دور اُف تک نہیں سنا۔ کہتی ہیں کبھی نماز اور تہجد میں تاخیر نہیں کی نہ کبھی بیماری میں ناغہ کیا۔ جیل میں تشدد کی وجہ سے گردے کی تکلیف ہو گئی جو آخری زندگی میں آکر زور پکڑ گئی تھی ۔ سانس کی تکلیف یا کوئی اَور تکلیف بھی ساتھ تھی کہتی ہیں اس میں بھی کبھی ہم نے ان سے ایسے الفاظ نہیں دیکھے کہ جو بے چینی والے ہوں۔ ہمیشہ شکر الحمد للہ کے علاوہ ان کے منہ سے کوئی جملہ نہیں سنا۔

پھر ایک کہتی ہیں کہ ہمارے لیے یہاں تک سوچا تھا کہ کہتے تھے میری بڑی عمر ہو گئی ہے ستاسی اٹھاسی سال عمر ہو گئی وقت کا پتہ نہیں ہے۔ جب میں نہ رہوں یا فوت ہو جاؤں تو مجھے پاکستان لے کر جانا اور بیٹیوں کو پھریہ بھی ساتھ کہا کہ میں نے آپ سب کے لیے ٹکٹ کے پیسے رکھے ہوئے ہیں تا کہ جب میرا جنازہ لے کرجاؤ تو اپنے خاوندوں کی طرف نہ دیکھو۔ اپنے باپ کے خرچے پر اس کے جنازے کے ساتھ جاؤ۔ ابھی تو حالات کی وجہ سے جنازہ جا نہیں سکتا ۔ امانتاً تدفین کی گئی ہے اگر کوئی راستہ نکلا تو ان کی خواہش کے مطابق ان شاء اللہ جنازہ بھجوانے کی کوشش کی جائے گی۔

ان کے بھانجے رانا شبیر ہیں جو ربوہ میں طاہر ہارٹ میں ہیں۔ کہتے ہیں کہ ان کو اسیری کے دوران رانا صاحب سے کئی دفعہ ملاقات کا موقع ملا اور جب بھی ان کو جیل میں سامان پہنچانے گئے تو ہمیں پریشانی ہوتی تھی اور وہ اکثر ہمیں صبر اور دعا کی تلقین کرتے تھے اور بڑے اعلیٰ پائے کے بزرگ تھے اور بڑے صبر کرنے والے انسان تھے۔ اسی طرح ان کی بھتیجی ہیں وہ لکھتی ہیں کہ 1980ء تک قصرِخلافت میں رہتے تھے اور جلسے پر جب ہم جاتے تھے اور بعض دفعہ ایک دو غیر احمدی فیملیاں بھی ساتھ ہوتی تھیں۔ جلسے پر عزیز دوست چلے جاتے تھے تو ہمارے پھوپھا جان ہمیشہ(یہ ان کی بیوی کی بھتیجی روبینہ صاحبہ ہیں) اپنی اہلیہ کو کہا کرتے تھے کہ مہمانوں کا ہمیشہ خیال رکھنا ہے اور کھانے میں اور سونے میں کوئی تکلیف نہ ہو۔ اگر جگہ کم ہوتی تو خود بچوں کو لے کر سٹور یا کچن میں سو جاتے اور مہمانوں کو کمرہ یا برآمدہ میں اچھی جگہ پر سلاتے۔اور کہتے یہ مسیح موعودؑ کے مہمان ہیں ان کو تکلیف نہیں ہونی چاہیے۔

ان کے ایک بھانجے کہتے ہیں کہ میں انہیں جیل میں ملنے گیا اور جب ان سے خیریت دریافت کی اور واقعہ کے بارے میں جاننا چاہا تو بڑے جوشیلے انداز میں فرمایا بیٹا ہر حال میں کلمے کی حفاظت کرنی ہے۔ اگر آپ کی جان بھی چلی جائے تو کوئی پروا نہیں۔ یہ بھانجے کہتے ہیں کہ مجھے یوں محسوس ہوا کہ یہ الفاظ کسی انسان کے نہیں بلکہ کسی فرشتے کی آواز ہے۔ بڑے دلیر، بہادر اور کلمے کی حفاظت کرنے والے، خلافت سے عشق کرنے والے نڈر احمدی مسلمان تھے۔

پھر یہ کہتے ہیں کہ جب میں بیلجیم سے لندن شفٹ ہوا تو کہتے ہیں کہ جب یہاں آئے ہو تو پھر خلافت کے ساتھ چمٹ جانا۔ اگر یہاں خلافت کی وجہ سے آئے ہو اور خلیفۂ وقت کی ہر بات پہ لبیک نہیں کہنا تو کوئی فائدہ نہیں۔ اور پھر یہ بھی کہا کہ باقاعدگی سے نمازیں ادا کرو اور کسی بھی مسئلہ پر گھبرانے کی بجائے ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکو۔ جھوٹے اور منافق سے سخت بیزار تھے۔ اپنی ڈیوٹی کے بارے میں بہت فکر میں رہتے۔ کبھی طبیعت زیادہ خراب ہوتی اور گھر والے کہتے کہ آج آرام کر لیں تو کہتے نہیں میں ٹھیک ہوں۔ یہ تو میرے بونس (bonus) کے دن ہیں۔ بڑھاپے میں مجھے خدمت کا موقع مل رہا ہے تو مجھے ملنے دو۔

الیاس منیر صاحب جو جیل میں رانا صاحب کے ساتھی تھے وہ لکھتے ہیں کہ رانا صاحب کے ساتھ میری زندگی کا ایک حصہ گزرا ہے اور اس آخری وقتِ رخصت ان کو دیکھ بھی نہیں سکتا تو دل سخت مضطرب ہے۔ رانا صاحب مرحوم کے ساتھ دس سال کا عرصہ اسیری میں گزرا۔ ایک دن بھی میں نے انہیں حوصلہ ہارتے ہوئے نہیں دیکھا حتیٰ کہ جب فوجی ڈکٹیٹر کی طرف سے آپ کو سزائے موت کا ظالمانہ اور بہیمانہ حکم سنایا گیا تو بھی اسے خندہ پیشانی سے سنا اور قبول کیا۔ کثیر العیال تھے اور سبھی بچے چھوٹی عمروں کے تھے۔ ذریعہ معاش بھی کوئی خاص نہ تھا مگر توکل تھا۔ خدمت دین کا جذبہ تھا اور جماعت کی عزت کا فکر تھا اور بس۔ جب کبھی پریشان ہوتے تو یہی کہتے کہ ان کے ارادے بہت خطرناک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو ان سے محفوظ رکھے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بھی آپ کے کام سنوارے۔ بچیوں کی شادیاں بھی دورِ اسیری میں ہی ہو گئیں۔

الیاس منیر صاحب واقعہ کا کچھ مختصر سا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب بلوائیوں نے مسجد پر حملہ کر دیا اور کلمہ طیبہ اور آیات و احادیث کی بے حرمتی شروع کر دی۔ کہتے ہیں اس موقع کا وہ منظر مجھے نہیں بھولتا جب آپ کو پہلی مرتبہ نہایت کڑک دار آواز میں للکارتے ہوئے سنا تھا۔ رانا صاحب نے کہا کہ تم کلمہ مٹانے والے کون ہوتے ہو؟ کون ہو تم کلمہ مٹانے والے! اور کہتے ہیں کہ اس سے پہلے میں نے کبھی ان کو اردو بولتے ہوئے نہیں سنا تھا لیکن اس وقت اردو میں بولے اور بڑی کڑک دار آواز میں بولے اور اکیلے ہی تیس چالیس آدمیوں کو، حملہ آوروں کو پہلے مسجد کے کونوں میں چھپنے اور پھر دوڑنے پر مجبور کر دیا ۔ پھر لکھتے ہیں کہ آپ نے نہ صرف یہ کارروائی نہایت شجاعت سے کی بلکہ جب پولیس افسر نے پوچھا کہ یہ فائرنگ کس نے کی تھی تو ایک لمحہ بھی توقف نہ کیااور فوراً آگے بڑھ کر کہا کہ میں نے کی ہے۔ اس کے بعد آپ پر مختلف انداز سے تشدد کیا گیا اور مجبور کرنے کی کوشش کی گئی کہ جماعتی عہدیداران کا نام لیں کہ ان کے کہنے پر انہوں نے یہ کارروائی کی ہے مگر آفرین ہے اس شیر دل پر جس نے نظامِ جماعت پر ذرہ برابر بھی آنچ نہیں آنے دی۔ اور حقیقت بھی یہی تھی۔ عہدیداران کو یہ علم تک نہ تھا کہ ان کے پاس اپنی ذاتی بندوق بھی ہے۔ پھر عدالت اور وہ بھی خصوصی فوجی عدالت، اس کے سامنے بھی کسی قسم کے دباؤ میں نہیں آئے۔ زبانی اور تحریری طور پر صاف ضمیر کے ساتھ، جرأت اور بہادری کے ساتھ یہ اعتراف کیا کہ فائرنگ انہوں نے ہی کی تھی اور آپ کی یہی بہادری اور شجاعت اور صاف گوئی اور سلسلے کے وقار و عزت کا جذبہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے بالآخر آپ کو سرخرو کیا اور آخر دم تک پھر ان کو خلافت کے ساتھ خدمت کی توفیق بھی ملی۔

پھر الیاس منیر صاحب ہی لکھتے ہیں کہ دورانِ اسیری جب ان کے والد صاحب کو خلیفہ رابعؒ کے خط آتے، اور ان کے والد دورانِ اسیری حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کے خطبات کا متن ہمارے لیے لاتے، اس وقت ایم۔ٹی۔اے کا رواج، باقاعدہ انتظام تو شروع نہیں ہوا تھا، خطبات تحریری آتے تھے، تو کہتے ہیں رانا صاحب مجھے اپنے ساتھ بٹھا لیتے تھے کہ خطبہ سناؤ اور جتنا عرصہ ہم سزائے موت کی کوٹھڑیوں میں رہے علیحدہ علیحدہ ہوتے تھے ناں۔اس دوران جب کچھ دیر کے لیے دونوں کو اکٹھے کرنے کے لیےکھولا جاتا تو وہ اکٹھے ہونے کا جو وقت تھا وہ صرف خطبہ سننے کے لیے وقف کر دیتے اور بڑے اہتمام سے خطبہ سنتے۔

پھر کہتے ہیں کہ جو نماز باجماعت ہو سکتی تھی اس کے لیے باقاعدہ اہتمام کرتے بلکہ بعض اوقات جیل میں موجود بعض دیگر احمدیوں کو بھی بلا لیتے۔ رمضان کا جہاں تک تعلق ہے تو کہتے ہیں کہ ہمیں مئی جون اور جولائی کے سخت روزے جیل میں آئے اور محترم رانا صاحب اپنی بڑی عمر اور جیل کی صعوبتوں کے باوجود تمام روزے رکھتے رہے۔ کہتے ہیں کہ انہوں نے بڑا غیر معمولی ہمت اور حوصلہ دکھایا اور پوری بشاشت کے ساتھ ہر صورتِ حال کا مقابلہ کیا اور جب ان کو سزائے موت کا حکم بھی سنایا گیا تو اس وقت بھی بڑی ہمت سے انہوں نے وقت گزارااور ان کی جرأت کی یہ جو کیفیت تھی غیروں نے بھی محسوس کی۔ کہتے ہیں سزائے موت کا حکم ملنے کے بعد جس پہ صدر نے بھی دستخط کر دیے تھے، رانا نعیم الدین صاحب کے پاس جیل کا ایک وارڈن آیا اور کہنے لگاکہ بزرگو! دیکھو یہ مرزائی عجیب ہیں۔ ان کو سزائے موت کی تاریخ مل گئی ہے اور اپنے انجام کی آخری منزل پر پہنچ گئے ہیں مگر ان کے چہروں پر کوئی اثر نہیں ہو ااور کوئی فرق نہیں آیا۔ذرا بھی کملائے نہیں اور بہرحال لمبی باتیں کرتا رہا۔ رانا صاحب کہتے ہیں کہ میں سمجھ گیا کہ اسے میرا پتہ نہیں کہ میں کون ہوں۔ چنانچہ جب اس نے اپنی بات مکمل کر لی تو رانا صاحب نے اس سے پوچھا کہ میرے چہرے پر تم نے کوئی اثر دیکھا ہے۔ اس نے جواب دیا کہ نہیں۔ اس پر رانا صاحب کے اس انکشاف نے اسے ہلا کر رکھ دیا کہ میں بھی احمدی ہوں اور انہی میں سے ہوں۔

آخر میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کا ایک خط بھی پڑھتا ہوں جو رانا نعیم الدین صاحب کو حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے ستمبر 86ء میں لکھا تھا۔ اس کا کچھ حصہ یہ ہے کہ ”آپ کے خلوص بھرے خطوط ملے۔ اعلیٰ ایمان کی جس مضبوط چٹان پر آپ کھڑے ہیں وہ قابل فخر ہے۔ اللہ والوں کو اعلیٰ مقام کے حاصل کرنے سے پہلے اس قسم کی دشوار گزار راہوں سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ آپ لوگوں کی سعادت پر رشک آتا ہے۔ درخت اپنے پھل سے جانا جاتا ہے۔ آپ لوگ ہی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے درخت کی سرسبز شاخیں اور شیریں پھل ہیں۔ اللہ تعالیٰ ضائع نہیں کرے گا۔ جماعت دعائیں کر رہی ہے میری دعائیں بھی آپ کے لیے ہیں۔ امید ہے آپ نے میری تازہ نظم بھی سن لی ہوگی۔ اس میں آپ اور آپ جیسے مخلصین کے لیے ہی چاہتوں کاپیغام اور سلام ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فرشتوں سے مدد کرے اور دشمن کے پنجے سے نجات بخشے۔ اللہ آپ کے ساتھ ہو۔“ یہ خط خلیفہ رابعؒ نے رانا صاحب کو لکھا تھا۔

مبارک صدیقی صاحب بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ان سے ان کی اسیری کے دنوں کی بات کی اور جیل میں مشکلات کا ذکر کیا تو مسکرا کر کہنے لگے کہ ہم احمدیوں کی زندگی اللہ تعالیٰ کے لیے، رسول کے لیے اور خلیفۂ وقت کی اطاعت کے لیے وقف ہے۔ اس لیے مجھے کبھی کوئی مشکل مشکل نہیں لگتی۔ میں ہر حال میں اللہ کی رضا پر راضی رہنے والا ہوں۔ یقیناً وہ ہر حال میں آخر دم تک اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی رہے۔ میں نے بھی جب بھی ان کا حال پوچھا تو الحمد للہ ہی کہتے رہے۔ ہسپتال سے آتے تھے تو اگلے دن پہنچ جاتے تھے اور کہتے تھے بالکل ٹھیک ہوں۔ بلکہ ساتھ ہی مجھے بھی دعائیں دیا کرتے تھے۔

جیسا کہ میں نے کہا ایک ڈاکٹر نے کہا کہ اس قسم کے عوارض کے جو لوگ ہیں جن کی ٹانگیں بھی سوجی ہوئی ہوں وہ تو گھر سے باہر نہیں نکل سکتے تو یہ ڈیوٹی پہ آ کے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس بات پر ان کو، ڈاکٹر کو حیرانی تھی۔ ڈاکٹر تو حیران ہوتے ہوں گے لیکن ان کو کیا پتا کہ ان میں ایک جذبہ تھا۔ خلافت سے پیار تھا۔ اُس کے قریب رہنے کی تڑپ تھی جو ان کو مسجد میں کھینچ لاتی تھی، ڈیوٹی پر لے آتی تھی ۔ میں نے ان کے چہرے پر ہمیشہ بڑی طمانیت دیکھی اور خلافت کے لیے محبت دیکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے اگلے جہان میں بھی پیار اور محبت کا سلوک فرمائے اور اپنے پیاروں کے قدموں میں جگہ دے۔

میں انہیں بچپن سے جانتا ہوں جیسا کہ ذکر ہوا، جب اس وقت وہ جابہ، نخلہ میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کے ساتھ جایا کرتے تھے تو ہم بھی کچھ دنوں کے لیے گرمیوں میں وہاں جایا کرتے تھے۔ تو اس وقت بھی ہم سے ان کا بڑی شفقت کا سلوک ہوتا تھا اور خلافت کے بعد تو میرے ساتھ اس کا رنگ ہی اَور تھا۔ جیسا کہ خلافت سے وفا کے واقعات اور احساسات، جذبات ہم نے سن لیے ہیں وہ ہر وقت نظر آتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے بچوں کو بھی ہمیشہ وفا کے ساتھ اپنے باپ کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ حالات کی وجہ سے ان کا جنازہ تو میں نہیں پڑھ سکا کچھ حکومتی پابندیاں بھی تھیں اور restrictions تھیں،اس کا افسوس بھی ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ کسی وقت ان کا جنازہ غائب بھی پڑھا دوں گا۔

آخر پر میں دوبارہ آج کل کی مرض کے حوالے سے یہ بھی کہنا چاہتا ہوں کہ اپنے بعض احمدی مریض ہیں ان کے لیے بھی دعا کریں۔ اللہ تعالیٰ سب کو شفائے کاملہ عطا فرمائے اور ہمیں بھی اپنی رضا کی راہوں پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ صحیح رنگ میں ہمیں عبادت کا اور حقوق العباد کا حق ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور جلد یہ بلا ہم سے دور فرمائے۔ دنیا کو بھی سمجھ اور عقل دے۔ وہ بھی ایک خدا کو پہچاننے والے بنیں۔ خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے والے بنیں۔ توحید کو جاننے والے بنیں۔ اللہ تعالیٰ سب پر رحم فرمائے۔

(الفضل انٹرنیشنل لندن ، 08 مئی 2020ء)

بقیہ از صفحہ1خلاصہ خطبہ جمعہ

کی بیعت سے باہر آتا ہوں۔ جب تک تم محمد کا انکار نہ کرو گے میں نہیں ادا کروں گا تو حضرت خبابؓ کہتے ہیں کہ میں نے اُس سے کہا کہ میں آپ ﷺ کا ہرگز انکار نہیں کروں گا یہاں تک کہ تو مرے اور پھر زندہ کیا جائے یعنی ناممکن ہے کہ میں انکار کروں۔ اس نے بھی کہہ دیا میں نے تو نہیں دینا۔ حضرت خبابؓ کہتے ہیں کہ اسی کے بارے میں یہ آیات نازل ہوئیں کہ اَفَرَءَیۡتَ الَّذِیۡ کَفَرَ بِاٰیٰتِنَا وَ قَالَ لَاُوۡتَیَنَّ مَالًا وَّ وَلَدًا............(مریم:78تا81)

حضور انور نے فرمایا:حضرت خبابؓ لوہار تھے اور تلواریں بنایا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اُن سے بہت اُلفت رکھتے تھے اور اُن کے پاس تشریف لے جایا کرتے تھے۔اُن کی مالکہ کو اس کی خبر ملی کہ آنحضرت ﷺ حضرت خبابؓ کے پاس آتے ہیں تو وہ گرم گرم لوہا حضرت خبابؓ کے سر پر رکھنے لگی۔ حضرت خبابؓ نے رسول اللہ ﷺ سے اس کی شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا: اللہ! خباب کی مدد کر، دُعا کی آپؐ نے۔ پس نتیجہ یہ ہوا کہ اُن کی مالکہ جو تھی امّ انمار، اُس کے سر میں کوئی بیماری پیدا ہو گئی اور وہ کتّوں کی طرح آوازیں نکالتی تھی، اُس سے کہا گیا کہ تُو داغ لگوا لے یعنی گرم لوہا لگوا اپنے سر پہ۔ چنانچہ مجبور ہوئی تو حضرت خبابؓ کے ذریعہ سے پھر وہ اپنے سر پہ گرم لوہا لگواتی تھی۔ابولیلی قندی سے مروی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت خبابؓ حضرت عمرؓ کے پاس آئے حضرت عمرؓ نے اُن کو کہا کہ قریب آ جاؤ کیونکہ سوائے عمار بن یاسر کے اس مجلس کا تم سے زیادہ مستحق کوئی نہیں۔ حضرت خبابؓ اپنی پیٹھ کے وہ نشانات دِکھانے لگے جو مشرکین کے تکلیف دینے سے پڑ گئے تھے۔ ایک اور جگہ کمر کے زخم دکھانے کے بارے میں اس طرح روایت آتی ہے ۔شعبی سے روایت ہے کہ حضرت خبابؓ حضرت عمر بن خطابؓ کے پاس آئے ،اُنھوں نے حضرت خبابؓ کو اپنی نشست گاہ پر بٹھایا اور فرمایا : سطح زمین پر کوئی شخص اس مجلس کا ان سے زیادہ مستحق نہیں سوائے ایک شخص کے۔ حضرت خبابؓ نے کہا اے امیر المؤمنین! وہ کون ہے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا : وہ بلالؓ ہے۔حضرت خبابؓ نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اے امیر المؤمنین! وہ مجھ سے زیادہ مستحق نہیں ہے کیونکہ بلالؓ جب مشرکوں کے ہاتھ میں تھے تو اُن کا کوئی نہ کوئی مددگار تھا جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اُن کو بچا لیا کرتا تھا مگر میرے لئے کوئی نہ تھا جو میری حفاظت کرتا۔ حضرت خبابؓ کہتے ہیں کہ ایک روز میری یہ حال تھی میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھا کہ لوگوں نے مجھے پکڑ لیا، آگ جلائی میرے لئے پھر لوگوں نے مجھے اُس میں پھینک دیا اور اُس کے بعد ایک آدمی نے اپنا پاؤں میرے سینے پر رکھ دیا تو میری کمر ہی تھی جس نے مجھے گرم زمین سے بچایا یا کہا کہ میری کمر ہی تھی جس نے زمین کو ٹھنڈا کیا۔ پھر اُنھوں نے اپنی پیٹھ پر سے کپڑا ہٹایا تو وہ برص کی طرح سفید تھی۔

حضرت مصلح موعودؓ حضرت خبابؓ کے بارے میں بیان فرماتے ہیں کہ یاد رکھنا چاہئے کہ رسول کریم ﷺ پر ایمان لا کر جن لوگوں نے سب سے زیادہ تکلیفیں اُٹھائیں وہ غلام ہی تھے۔ چنانچہ خباب بن الارت ایک غلام تھے جو لوہار کا کام کرتے تھے وہ نہایت ابتدائی ایّام میں آپؐ پر ایمان لے آئے۔ لوگ اُنہیں سخت تکالیف دیتے تھے حتیٰ کہ اُنہی کی بھٹی کے کوئلے نکال کر اُن پر اُنہیں لٹا دیتے تھے اور اُوپر سے چھاتی پر پتھر رکھتے تھے تاکہ آپ کمر نہ ہلا سکیں ۔ اُن کی مزدوری کا روپیہ جن لوگوں کے ذمہ تھا وہ روپیہ ادا کرنے سے منکر ہو گئے مگر باوجود ان مالی اور جانی نقصانوں کے آپؓ ایک منٹ کے لئے متذبّذب نہ ہوئے اور ایمان پر ثابت قدم رہے۔ آپؓ کی پیٹھ کے نشان آخر عمر تک قائم رہے چنانچہ حضرت عمرؓ کی حکومت کے ایّام میں اُنہوں نے اپنے گزشتہ مصائب کا ذکر کیا تو اُنہوں نے اُن سے پیٹھ دِکھانے کو کہا۔ جب اُنہوں نے پیٹھ پر سے کپڑا اُٹھایا تو تمام پیٹھ پر ایسے سفید داغ نظر آئے جیسے کہ برص کے داغ ہوتے ہیں۔پھر حضرت مصلح موعودؓ ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ایک ابتدائی نو مسلم غلام خبابؓ کی پیٹھ ننگی ہوئی تو اُن کے ساتھیوں نے دیکھا کہ اُن کی پیٹھ کا چمڑہ انسانوں جیسا نہیں ہے جانوروں جیسا ہے۔ وہ گھبرا گئے اور اُن سے دریافت کیا کہ آپ کو یہ کیا بیماری ہے؟ وہ ہنسے اور کہا کہ بیماری نہیں یہ یادگار ہے اس وقت کی جب ہم نومسلم غلاموں کو عرب کے لوگ مکہ کی گلیوں میں سخت اور کھردرے پتھروں پر گھسیٹا کرتے تھے اور متواتر یہ ظلم ہم پر روا رکھے جاتے تھے اسی کے نتیجہ میں میری پیٹھ کا چمڑا یہ شکل اختیار کر گیا ہے۔ ان ابتدائی مسلمانوں کو جو غریب بھی تھے اور اکثر غلام بھی تھے اور اسلام قبول کرنے کے بعد جن تکالیف میں سے اُنہیں گزرنا پڑا کہ کبھی آگ پہ لٹا دیا جاتا کبھی پتھروں پہ گھسیٹا جاتا اُن کو بعد میں، یہ تکلیفیں تو برداشت کر لیں اور جب اسلام کی ترقی ہوئی تو اُس وقت اللہ تعالیٰ نے کس طرح نوازااور اُن کا دُنیاوی مقام بھی کس طرح قائم فرمایا حضورانور نے حضرت مصلح موعودؓ کا ایک حوالہ پیش کر کے اس کا تفصیلی ذکر فرمایا۔

حضور انور نے فرمایا : جب حضرت خبابؓ اور حضرت مقداد بن عمروؓ نے مدینہ ہجرت کی تو یہ دونوں حضرت کلثوم بن الہدمؓ کے ہاں ٹھہرے اور حضرت کلثومؓ کی وفات تک اُنہی کے گھر ٹھہرے رہے۔ حضرت کلثومؓ کی وفات آنحضرت ﷺ کے بدر کی طرف نکلنے سے کچھ عرصہ پہلے ہوئی تھی پھر وہ حضرت سعدؓ بن عبادۃ کی طرف چلے گئے یہاں تک کہ پانچ ہجری میں بنو قریظہ کو فتح کیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت خبابؓ اور حضرت خراش بن سمہؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت تمیمؓ کے درمیان مؤاخات قائم فرمائی۔ حضرت خبابؓ غزوہ بدر ،اُحد اور خندق سمیت دیگر تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شریک رہے۔

فرمایا۔ابوخالد بیان کرتے ہیں کہ ایک دن ہم مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت خبابؓ آئے اور خاموشی سے بیٹھ گئے۔ لوگوں نے اُن سے کہا کہ آپؓ کے دوست آپ کے پاس اکٹھے ہوئے ہیں تاکہ آپؓ ان سے کچھ بیان کریں یا اُنہیں کچھ حکم دیں۔ حضرت خبابؓ نے کہا میں انہیں کس بات کا حکم دوں ایسا نہ ہو کہ میں اُنہیں کسی ایسی بات کا حکم دوں جو میں خود نہیں کرتا۔فرمایا : اللہ تعالیٰ کے خوف اور تقویٰ کا یہ معیار تھا ان لوگوں کا۔طارق سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے اصحابؓ کی ایک جماعت نے حضرت خبابؓ کی عیادت کی۔ اُن لوگوں نے کہا کہ اے ابو عبداللہ ! خوش ہو جاؤ کہ تم اپنے بھائیوں کے پاس حوضِ کوثر پر جاتے ہو۔ حضرت خبابؓ نے کہا کہ تم نے میرے سامنے اُن بھائیوں کا ذکر کیا ہے جو گزر گئے ہیں اور اُنھوں نے اپنے اجروں میں سے کچھ نہ پایا اور ہم اُن کے بعد باقی رہے یہاں تک کہ ہمیں دُنیا سے وہ کچھ حاصل ہو گیا جس کے متعلق ہم ڈرتے ہیں کہ شاید یہ ہمارے گزشتہ کئے گئے اعمال کا ثواب ہے۔جو دُنیا ہمیں مل گئی یہیں ثواب مل گیا دُنیا میں۔ حضرت خبابؓ بہت شدید اور طویل مرض میں مبتلا رہے۔

فرمایا۔حارثہ بن مضرب سے مروی ہے کہ میں حضرت خبابؓ کے پاس اُن کی عیادت کے لئے آیا۔ وہ سات جگہ سے علاج کی خاطر داغ دیئے گئے تھے میں نے اُنہیں کہتے سنا کہ اگر میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے نہ سنا ہوتا کہ کسی کے لئے جائز نہیں کہ وہ موت کی تمنا کرے تو میں اس کی تمنا کرتا یعنی اتنی تکلیف میں تھے۔ اُن کا کفن لایا گیا جو قباطی کپڑے کا تھا یا باریک کپڑا جو مصر میں تیار ہوتا تھا تو وہ رونے لگے۔ پھر اُنہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت حمزہؓ کو ایک چادر کا کفن دیا گیا جو اُن کے پاس پاؤں پر کھینچی جاتی تو سر کی جانب سے سکڑ جاتی اور جب سر کی طرف کھینچی جاتی تو پاؤں کی طرف سے سکڑ جاتی یہاں تک کہ اُن پر اَذخر گھاس ڈالی گئی۔ میں نے اپنے آپ کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اس حال میں دیکھا کہ میں ایک دینار کا مالک تھا نہ ایک درہم کا۔ آپؓ نے فرمایا کہ اب میرے مکان کے کونے میں صندوق میں پورے چالیس ہزار درہم ہیں اور میں ڈرتا ہوں کہ ہماری طیب چیزیں ہمیں اس زندگی میں نہ دے دی گئی ہوں۔حضرت خبابؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ ہجرت کی۔ ہم اللہ تعالیٰ ہی کی رضا چاہتے تھے اور ہمارا اجر اللہ کے ذمہ ہو گیا۔ہم میں سے ایسے بھی تھے جو وفات پا گئے اور اُنہوں نے اپنے اجر سے کچھ نہیں کھایا، اُن میں سے حضرت مصعب بن عمیرؓ بھی ہیں اور ہم میں سے ایسے بھی ہیں جن کا پھل پک گیا اور وہ اس پھل کو چن رہے ہیں۔ حضرت مصعبؓ اُحد کےدن شہید ہوئے تھے اور ہمیں صرف ایک ہی چادر ملی تھی کہ جس سے ہم اُن کو کفناتے۔ جب ہم اُس سے اُن کا سر ڈھانپتے تو اُن کے پاؤں نکل جاتے اور اگر اُن کے پاؤں ڈھانپتے تو اُن کا سر نکل جاتا تو نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہم اُن کا سر ڈھانپ دیں اور اُن کے پاؤں پر اَذخر گھاس ڈال دیں۔

حضور انور نے فرمایا :زید بن وہب نے بیان کیا کہ ہم حضرت علیؓ کے ساتھ آ رہے تھے جب وہ صفین سے لوٹ رہے تھے جنگ کے بعد، یہاں تک کہ جب آپؓ کوفہ کے دروازے پر پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ ہمارے داہنی طرف سات قبریں ہیں ۔ حضرت علیؓ نے پوچھا کہ یہ قبریں کیسی ہیں۔ لوگوں نے کہاکہ اے امیر المؤمنین ! آپؓ کے صفین کے لئے نکلنے کے بعد خبابؓ کی وفات ہو گئی۔ اُنھوں نے وصیت کی کہ کوفہ سے باہر دفن کیا جائے۔ وہاں لوگوں کا دستور تھا کہ اپنے مردوں کو اپنے صحنوں میں اور اپنے گھروں کے دروازوں کے ساتھ دفن کیا کرتے تھے مگر جب اُنہوں نے حضرت خبابؓ کو دیکھا کہ اُنہوں نے باہر دفن کرنے کی وصیت کی تو لوگ بھی دفن کرنے لگے۔ حضرت علیؓ نے کہا اللہ خباب پر رحم کرے، وہ اپنی خوشی سے اسلام لائے اور اُنہوں نے اطاعت کرتے ہوئے ہجرت کی اور ایک مجاہد کے طور پر زندگی گزاری اور جسمانی طور پر وہ آزمائے گئے اور جو شخص نیک کام کرے اللہ اُس کا اجر ضائع نہیں کرتا یعنی جسمانی تکلیفیں بیماریاں بہت لمبی چلی اُن کی۔ پھرحضرت علیؓ اُن قبروں کے نزدیک گئے اور کہاتم پر سلامتی ہو اے رہنے والو جو مؤمن اور مسلمان ہو! تم آگے جا کر ہمارے لئے سامان کرنے والے ہو اور ہم تمہارے پیچھے پیچھے عنقریب تم سے ملنے والے ہیں۔ اے اللہ! ہمیں اور انہیں بخش دے اور اپنے عفو کے ذریعہ ہم سے اور ان سے درگزر کر۔ خوشخبری ہو اُس شخص کو جو آخرت کو یاد کرے اور حساب کے لئے عمل کرے اور جو اس کی ضرورت کو پوری کرنے والی چیز ہو وہ اس پر قناعت کرے اور اللہ عزّوجلّ کو راضی رکھے۔حضرت خبابؓ کی وفات 37 ہجری میں 73 برس کی عمر میں ہوئی تھی۔

آج کی دعا

رَبَّنَا لَا تُزِغۡ قُلُوۡبَنَا بَعۡدَ اِذۡ ہَدَیۡتَنَا وَ ہَبۡ لَنَا مِنۡ لَّدُنۡکَ رَحۡمَۃً ۚ اِنَّکَ اَنۡتَ الۡوَہَّابُ (آل عمران:9)

ترجمہ:اے ہمارے رب! ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ ہونے دے بعد اس کے کہ تو ہمیں ہدایت دے چکا ہو اور ہمیں اپنی طرف سے رحمت عطا کر۔یقیناًتو ہی ہے جو بہت عطا کرنے والا ہے۔

یہ ہدایت کے بعد گمراہی سے بچنے کی دعا ہے۔حضرت ام سلمیٰؓ بیان کرتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ اکثر یہ دعا کرتے تھے کہ اے دلوں کے پھیرنے والے! میرے دل کو اپنے دین پر قائم کر دے۔آپؓ فرماتی ہیں میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ!کیا دل بدل بھی جاتے ہیں؟حضورؐ نے یہ قرآنی دعا پڑھ کر سنائی اور فرمایا کہ امکانی طورپر ہر انسان کے پھسلنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس لئے یہ دعا کثرت سے پڑھنی چاہئے۔

(قدسیہ محمود سردار)

مبارک احمد منیر ۔ برکینا فاسو

توبہ استغفار کی اہمیت اور مشکلات کا بہترین وظیفہ

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کی ہدایت کے لیے ہر زمانہ میں ہزاروں اولیاء اللہ اور ہر صدی میں کئی کئی مجدددین بھیجے ہیں جنہوں نے کروڑوں انسانوں کو اپنے علم و عمل وقرآنی علوم سے مستفیض کیا ۔اسی طرح کہا جاتا ہے کہ ایک بزرگ تھے جن کے پاس کچھ طلباء بھی رہتے تھے جو ان سے دین کا علم سیکھتے تھے۔چنانچہ دن کے مختلف اوقات میں عوام الناس اس نافع وجود سے مستفیض ہونے کے لیے آتے رہتے اور اپنی حاجات کے لئےدعائیں کرواتے تھے۔ایک دن وہ اپنے طلباء کے ساتھ مسند پر بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا اور اس نے درخواست کی کہ میں بہت گناہگار ہوں ۔میں نے ساری زندگی گناہ کئے ہیں میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہ معاف کردے ۔چنانچہ ان بزرگ نے اسے نصیحت کی کہ کثرت سے استغفار کیا کرو۔چنانچہ وہ چلا گیا۔اس کے بعد ایک اور شخص آیا جس نے شکایت کی کہ ایک لمبے عرصہ سے بارش نہیں ہوئی جس کی وجہ سے ہماری فصلیں تباہ ہورہی ہیں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت ہم پر برسائے تاکہ فصلیں تباہ ہونے سے بچ جائیں اور ہماری خوراک کا بندوبست ہوسکے۔ آپ نے فرمایا کثرت سے استغفار کرو ۔اسی طرح تیسرا شخص آیا اور اس نے دعا کے لیے درخواست کی کہ میں بہت غریب انسان ہوں میرے لیے دعا کریں اللہ تعالیٰ میرے رزق میں فراوانی عطاء کرے اور میری مالی مشکلات آسان کرے۔ ان بزرگ نے پھر وہی کہا کہ کثرت سے استغفار کیا کرو ۔ کچھ دیرکے بعد ایک اور شخص اپنی عرضی لیے کر ان بزرگ کے سامنے حاضرہوا اور عرض کی کہ میری شادی کو ایک لمبا عرصہ ہوگیا ہے اور ابھی تک کوئی اولاد نہیں ہوئی ۔ میرے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے اولاد عطاء کرے۔ ان بزرگ نے پھر اس شخص کو بھی یہی نصیحت کی کہ کثرت سے استغفار کیا کرو۔اس پر وہ شخص بھی چلا گیا۔

یہ سب ماجرا بزرگ کے طلباء دیکھ رہے تھے اور حیران تھے کہ اتنے سوالی آئے اور انہوں نے اپنی مختلف مشکلات کا ذکر کیاہر بار بزرگ نے ایک ہی جواب دیا کہ کثرت سے استغفار کرو تو اللہ تمہاری مشکل حل کردے گا۔چنانچہ ان میں سے ایک طالب علم نے بزرگ سے اس بارہ میں پوچھ لیا کہ یہ کیا ماجرا ہے کہ ہر سوال پر آپ نے ایک ہی جواب دیا کہ کثرت سے استغفار کیا کرو۔

اس پر بزرگ نے فرمایا کہ میں نے اپنی طرف سے تو کوئی بات نہیں کی بلکہ جو قرآن کریم نے فرمایا ہے اسی کا ذکر کیا ہے۔ بزرگ نے سورة نوح کی مندرجہ ذیل آیات پڑھیں ۔فَقُلۡتُ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ اِنَّہٗ کَانَ غَفَّارًا یُّرۡسِلِ السَّمَآءَ عَلَیۡکُمۡ مِّدۡرَارًا وَّیُمۡدِدۡکُمۡ بِاَمۡوَالٍ وَّبَنِیۡنَ وَیَجۡعَلۡ لَّکُمۡ جَنّٰتٍ وَّیَجۡعَلۡ لَّکُمۡ اَنۡہٰرًا(نوح:13-11) پس میں نے کہا اپنے رب سے بخشش طلب کرو یقیناً وہ بہت بخشنے والاہے۔وہ تم پر لگاتار برسنے والا بادل بھیجے گا۔اور وہ اموال اور اولاد کے ساتھ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے لئے باغات بنائے گا اور تمہارے لئے نہریں جاری کرے گا ۔

حضرت غلام رسول راجیکیؓ فرماتے ہیں کہ ’’قادیان مقدس میں جب میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی بیعتِ راشدہ سے مشرّف ہوا تو حضور اقدس علیہ السلام نے ازراہِ نصیحت فرمایا کہ نمازوں کو سنوار کر پڑھنا چاہئےاور مسنونہ دعاؤں کے علاوہ اپنی مادری زبان میں بھی دعا کرنی چاہئے..... اس کے بعد حضرت اقدس علیہ السلام نے ہمیں کثرت سے درود شریف اور استغفار پڑھنے کا ارشاد فرمایا۔ مجھے ایک عرصہ تک درودواستغفار کی کثرت کے متعلق خلجان رہا کہ کثرت سے نہ معلوم کتنی تعداد مراد ہے۔ تب سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام مجھے بحالت کشفی ملے اور میری بیعت لی اور فرمایا کہو اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ رَبِّیۡ مِنۡ کُلِّ ذَنۡۢبٍ وَّاَتُوۡبُ اِلَیۡہِ۔مِائَةُ مَرَّةٍ۔یعنی سومرتبہ استغفار پڑھو۔ اس سے مجھے معلوم ہو گیا کہ کثرت سے مراد عام حالات میں کم از کم سو مرتبہ استغفار کا وِرد ہے۔ واللہ اعلم بالصواب‘‘

(حیات قدسی صفحہ 63)

ایک روایت ڈاکٹر عبدالستار شاہؓ مرحوم نے بیان کیا کہ ’’ایک مرتبہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی تقریر میں فرمایا کہ یہ جو اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ رَبِّیۡ مِنۡ کُلِّ ذَنۡۢبٍ وَّاَتُوۡبُ اِلَیۡہِ پڑھنے کا کثرت سے حکم آیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ انسانی کمزوریوں اور غلطیوں کی وجہ سے انسان کو گویا ایک ذُنب یعنی دُم لگ جاتی ہے جو کہ حیوانی عضو ہے۔ اور یہ انسان کے لئے بدنما اور اس کی خوبصورتی کے لئے ناموزوں ہے۔ اس واسطے حکم ہے کہ انسان بار بار یہ دُعا مانگے اور استغفار کرے تاکہ اس حیوانی دُم سے بچ کر اپنی انسانی خوبصورتی کو قائم رکھ سکے اور ایک مکرم انسان بنا رہے۔‘‘

(سیرۃ المہدی جلد اول صفحہ508)

ایک اور روایت میں قاضی محمد یوسف پشاوریؓ نے بیان کیا کہ ’’1906ء کی بات ہے کہ ایک سائل نے جو اپنے آپ کو نوشہرہ ضلع پشاور کا بتاتا تھا اور مہمان خانہ قادیان میں مقیم تھا۔حضرت صاحب کو خط لکھا کہ میری مدد کی جائے۔ مجھ پر قرضہ ہے۔ آپ نے جواب لکھا کہ قرض کے واسطے ہم دعا کریں گے اور آپ بہت استغفار کریں۔ اور اس وقت ہمارے پاس ایک روپیہ ہے جو ارسال ہے۔‘‘ (سیرۃ المہدی جلد اول صفحہ735)

ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس ایک شخص نے قرض کے واسطے دعا کیے لیے عرض کی ۔فرمایا ’’استغفار بہت پڑھا کرو۔‘‘

(ملفوظات جلد اول صفحہ449)

ایک شخص نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے عرض کیا کہ مجھ پر بہت قرض ہے دعا کیجئے۔فرمایا۔ ’’توبہ استغفار کرتے رہو کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے جو استغفار کرتا ہے اسے رزق میں کشائش دیتا ہے۔‘‘

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 434)

اسی طرح ایک شخص نے عرض کی کہ حضورؑ میرے لیے دعا کریں کہ میرے اولاد ہوجائے آپؑ نے فرمایا ’’استغفار بہت کرو ۔اس سے گناہ بھی معاف ہوجاتے ہیں اللہ تعالیٰ اولاد بھی دے دیتا ہے ۔یاد رکھو یقین بڑی چیز ہے ۔جو شخص یقین میں کامل ہوتا ہے خدا تعالیٰ خود اس کی دستگیری کرتا ہے۔‘‘ (ملفوظات جلد اول صفحہ 444)

’’تمام انبیاء کرام کا اجماعی مسئلہ ہے کہ صدقہ واستغفار سے رد بلا ہوتا ہے۔بلا کیا چیز ہے یعنی وہ تکلیف دہ امر جو خدا کے ارادہ میں مقدر ہوچکا ہے۔‘‘ (تفسیر حضرت مسیح موعود جلددوم صفحہ 231)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ارشادات اور صحابہ کے واقعات سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ بیماریوں اور وباؤں کے زمانہ میں کثرت سے توبہ و استغفار کرنے سے اللہ تعالیٰ اپنے حفظ و امان میں رکھتا ہے۔چنانچہ حضرت غلام رسول راجیکیؓ کی بعض انتہائی دلچسپ روایات پڑھنے کا موقع ملا جو استفادہ کے لیے پیش خدمت ہیں۔آپ بیان کرتے ہیں کہ ’’ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ اوپر کی منزل میں طاعون کے جراثیموں کے انبار لگے ہوئے ہیں جو شکل میں بال کی طرح سیاہ اور کسی قدر لمبے ہیں میرے خوفزدہ ہونے پر ان جراثیم نے مجھے کہا جو شخص استغفار پڑھے ہم اسے کچھ نہیں کہتے۔ چنانچہ جب میں نے استغفار پڑھنا شروع کیا تو وہ کہنے لگے دیکھا اب ہم کچھ نہیں کہتے۔ اس کے بعد جب میں بیدار ہوا تو صبح کے وقت تمام احمدی دوستوں کو یہ رؤیا سنائی اور استغفار پڑھنے کی تلقین کی۔ خدا کا فضل ہے کہ اس دعا کی برکت سے سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نشان کے ماتحت اللہ تعالیٰ نے شہر گجرات کی تمام جماعت احمدیہ کو اس عذاب شدید سے کلّی طور پر محفوظ رکھا۔ الحمدلِلّٰہ علیٰ ذالك‘‘

(حیات قدسی صفحہ 97۔98)

حضرت غلام رسول راجیکیؓ کی ایک روایت میں بیان کرتے ہیں کہ ’’گجرات شہر کے قیام کے بعد ایک دفعہ ضلع گوجرانوالہ میں جبکہ میں اپنے سسرال موضع پیرکوٹ میں تھا میری بیوی کے بھائی میاں عبداللہ خان صاحب کو ایک طاعون والے گاؤں میں سے گزرنے سے طاعون ہو گئی۔ جب غیر احمدی لوگوں کو معلوم ہوا تو کہنے لگے مرزائی تو کہا کرتے ہیں کہ طاعون کا عذاب مرزا صاحب کی مخالفت کی وجہ سے پیدا ہوا ہے اب بتائیں کہ پہلے ان کے ہی گھر میں طاعون کیوں پھوٹ پڑی۔ میں نے جب ان کی ہنسی اور تمسخر کو دیکھا اور شماتت اعداء کا خیال کیا تو بہت دعا کی۔ چنانچہ رات میں نے خواب میں دیکھا کہ ہمارے مکان کے صحن میں طاعون کے جراثیم بھرے پڑے ہیں مگر ان کی شکل گجرات والے جراثیم سے مختلف ہے یعنی ان کا رنگ بھورا اور شکل دو نقطوں کی طرح ہے۔ اس وقت مجھے گجرات والے جراثیم کی بات یاد آگئی کہ جو شخص استغفار کرے ہم اسے کچھ نہیں کہتے چنانچہ میں نے ان کے سامنے بھی استغفار پڑھنا شروع کر دیا۔ اس پر یہ جراثیم مجھے کہنے لگے کہ ہماری قسم بہت سخت ہے اس لئے ہم سے استغفار کرنے والے بھی نہیں بچ سکتے۔ تب میں نے حیران ہو کر دریافت کیا کہ پھر آپ سے بچنے کی کیا صورت ہے تو انہوں نے کہا ہمیں حکم ہے کہ جو شخص لَاحَوۡلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الۡعَلِیِّ الۡعَظِیۡمِ پڑھے اسے ہم کچھ نہ کہیں گے۔اس خواب سے بیدار ہو کر صبح میں نے تمام رشتہ داروں اور دیگر احمدیوں کو یہ خواب سنایا اور لَاحَوۡلَ پڑھنے کی تلقین کی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے میاں عبداللہ خاں صاحب کو بھی شفا دی۔ اور دوسرے احمدیوں کو بھی محفوظ رکھا مگر غیر احمدیوں میں کثیر التعداد لوگ اس عذاب کا شکار ہو گئے۔‘‘ (حیات قدسی صفحہ99,98)

استغفار کا مطلب اور اس کی حقیقت

حضرت مسیح موعودؑ استغفار کا مطلب بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

’’غفرڈھانکنے اور دبانے کو کہتے ہیں۔ استغفار سے انسان ان جذبات اور خیالات کو ڈھانپنے اور دبانے کی کوشش کرتا ہے۔پس استغفار کے یہی معنی ہیں کہ زہریلے مواد جو حملہ کرکے انسان کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں ۔ان پر غالب آوے اور خداتعالیٰ کے احکام آوری کی راہ کی روکوں سے بچ کر انہیں عملی رنگ میں دکھائے۔‘‘ (ملفوظات جلد اول صفحہ 348)

حضرت مسیح موعودؑ استغفار کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

’’گناہ ایک ایسا کیڑاہے جو انسان کے خون میں ملا ہوا ہے مگر اس کا علاج استغفار سے ہی ہوسکتا ہے ۔استغفا کیا ہے ؟یہی کہ جو گناہ صادر ہوچکے ہیں ان کے بد ثمرات سے خدا تعالیٰ محفوظ رکھے اور جو ابھی صادر نہیں ہوئے اور جو بالقوہ انسان میں موجود ہیں ان کے صدور کا وقت ہی نہ آوے اور اندر ہی اندر وہ جل بھن کر راکھ ہوجاویں۔‘‘ (ملفوظات جلد سوم صفحہ218)

فرمایا ’’استغفار کے اصل معنی تو یہ ہیں کہ یہ خواہش کرنا کہ مجھ سے کوئی گناہ نہ ہو یعنی میں معصوم رہوں اور دوسرے معنے جو اس کے نیچے درجے پر ہیں کہ میرے گناہ کے بد نتائج جو مجھے ملنے ہیں میں ان سے محفوظ رہوں۔‘‘ (تفسیر حضرت مسیح موعودؑ جلد اول صفحہ 303)

فرمایا ’’ وَّاَنِ اسۡتَغۡفِرُوۡا رَبَّکُمۡ ثُمَّ تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡہِ (ھود :4)یاد رکھو کہ یہ دو چیزیں اس امت کو عطا فرمائی گئی ہیں۔ ایک قوت حاصل کرنے کے واسطے، دوسری حاصل کردہ قوت کو عملی طور پر دکھانے کے لیے ۔قوت حاصل کرنے کے واسطے استغفار ہے جس کو دوسرے لفظوں میں استمداد اور استعانت بھی کہتے ہیں...استغفار اور توبہ دو چیزیں ہیں۔ایک وجہ سے استغفار کو توبہ پر تقدم ہے کیونکہ استغفار مدد اور قوت ہے جو خدا سے حاصل کی جاتی ہے اور توبہ اپنے قدموں پر کھڑا ہونا ہے ۔عادة اللہ یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ سے مدد چاہے تو خداتعالیٰ ایک قوت دے گا اور پھر اس قوت کے بعد انسان اپنے پاؤں پر کھڑا ہوجاوے گا اور نیکیوں کے کرنے کے لیے اس میں ایک قوت پیدا ہوجاوے گی جس کانام تُوۡبُوۡۤا اِلَیۡہِ ہے۔‘‘(ملفوظات جلد اول صفحہ 349)

توبہ کی شرائط

’’پہلی شرائط جسے عربی زبان میں اقلاع کہتے ہیں ۔یعنی ان خیالات فاسدہ کو دور کردیا جاوے جو ان خصائل ردیہ کے محرک ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ تصورات کا بڑا بھاری اثر پڑتا ہے کیونکہ حیطۂ عمل میں آنے سے پیشتر ایک فعل ایک تصوری صورت رکھتا ہے۔پس توبہ کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ ان خیالات فاسدہ و تصورات بد کو چھوڑدے....

دوسری شرط ندم ہے یعنی پشیمانی اور ندامت ظاہر کرنا ۔ہر ایک انسان کا کانشنس اپنے اندریہ قوت رکھتا ہے کہ وہ اس کو ہر برائی پر متنبہ کرتا ہے، مگر بدبخت انسان اس کو معطل چھوڑ دیتا ہے ۔پس گناہ اور بدی کے ارتکاب پرپشیمانی ظاہر کرے اور یہ خیال کرے کہ یہ لذات عارضی اور چندہ روزہ ہیں اور پھر یہ بھی سوچے کہ ہر مرتبہ اس لذت اور حظ میں کمی ہوتی جاتی ہے۔یہاں تک کہ بڑھاپے میں آکر جبکہ قویٰ بیکار اور کمزور ہوجائیں گے۔آخر ان سب لذات دنیا کو چھوڑنا ہوگا۔

تیسری شرط عزم ہے۔یعنی آئندہ کے لیے مصمم ارادہ کرلے کہ پھر ان برائیوں کی طرف رجوع نہ کرے گا اور جب وہ مداومت کرے گا تو خداتعالیٰ اسے سچی توبہ کی توفیق عطاء کرے گا ۔یہاں تک کہ وہ سیئات اس سے قطعاً زائل ہوکر اخلاق حسنہ اور افعال حمیدہ اس کی جگہ لے لیں گی اور یہ فتح ہے اخلاق پر۔اس پر قوت اور طاقت بخشا اللہ کا کام ہے کیونکہ تمام طاقتوں اور قوتوں کا مالک وہی ہے۔‘‘ (ملفوظات جلد اول صفحہ 87۔88)

بقیہ صفحہ 9پر

صدقۃ الفطر، احکام و مسائل

لئیق احمد مشتاق۔ سرینام

اصطلاحی معنی

فطر کے معنی روزہ کھولنے یا روزہ نہ رکھنے کے ہیں۔شرعی اصطلاح میں صدقۃ الفطر اُس خیرات کا نام ہے جو ماہ رمضان کے ختم ہونے پر روزہ کھولنے کی خوشی اور شکریہ کے طور پر ادا کیا جاتا ہے۔ نیز صدقۃ الفطر رمضان المبارک کے دوران سر زد ہونے والی کوتاہیوں اور غلطیوں کا کفارہ بھی بنتا ہے۔ جس کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے پاکیزہ ارشادات میں ملتا ہے۔ہر صاحبِ استطاعت مسلمان پر یکم رمضان کی صبح طلوع ہوتے ہی صدقۃ الفطر واجب ہو جاتا ہے اور اس کے ادا کرنے کا آخری وقت نماز عید سے پہلے تک ہے۔

نماز عیدالفطر کی ادائیگی سے قبل صدقہ فطر اس واسطے مقرر کیا گیا ہےکہ یہ روزہ داروں کے لئے گناہوں سے معافی کا ذریعہ بنے۔ نیزیہ کہ غرباء بھی اپنے بچوں کے لئے بروقت مناسب لباس اور کھانے پینے کا بندوبست کر سکیں اور عید کی خوشیوں میں اچھے طریق سے شامل ہو سکیں۔

مقدار

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور اُس کے بعد بھی طویل عرصہ تک ناپنے اور تولنے کے لئے کوئی خاص پیمانہ موجود نہیں تھا جو ہر جگہ اور علاقے میں ایک ہی سائز میں مہیا ہو۔’’صاع‘‘ بھی ایک پیمانہ ہے جو عموماً بالٹی وغیرہ کی شکل کا ہوتا تھا۔جس میں عام طور پر چار مرتبہ دونوں ہاتھ بھر کر کوئی سامان رکھا جاتا تھا۔ لیکن اُس زمانہ میں یہ پیمانہ کسی فیکٹری میں تیار نہیں ہوتا تھا کہ سب بالکل ایک ہی سائز کے ہوں بلکہ یہ پیمانہ تھوڑا چھوٹا یا بڑا بھی ہوتا تھا۔ اس صاع کے پیمانہ کو موجودہ رائج کلو گرام کے پیمانہ سے مقرر نہ کیا گیا تو علماء و مؤرخین میں اختلاف ہوا اور اختلاف کا ہونا بدیہی بات ہے۔ چنانچہ دورحاضر میں وزن کے لئےرائج میٹرک سسٹم کے مطابق ایک ’’صاع‘‘2کلو 750 گرام سے 2کلو 830 گرام تک بیان کیا جاتا ہے۔

احادیث صحیحہ میں اس بات کا بار بار ذکر ملتا ہے کہ رسول خدا ﷺ کے زمانے میں صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین جو، کھجور، کشمش اورپنیروغیرہ کی صورت میں صدقۃ الفطرادا کرتے تھے۔ یعنی امت مسلمہ کے لئے یہ رعایت اور آسانی میسر ہے کہ لوگ اپنی سہولت کے مطابق غذائی اجناس یا نقدی کی صورت میں صدقۃالفطر ادا کر سکتے ہیں۔

صدقہ کی حقیقت

حضرت مسیح موعو علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔

’’لَا تُبۡطِلُوۡا صَدَقٰتِکُمۡ بِالۡمَنِّ وَ الۡاَذٰی (البقرۃ:265)یعنی اے احسان کرنے والو! اپنے صدقات کو جن کی صدق پر بنا چاہئے۔ احسان یاد دلانے اور دکھ دینے کے ساتھ برباد مت کرو ۔یعنی صدقہ کا لفظ صدق سے مشتق ہے۔ پس اگر دل میں صدق اور اخلاص نہ رہے تو وہ صدقہ صدقہ نہیں رہتا۔ بلکہ ایک ریاکاری کی حرکت ہوجاتی ہے‘‘

(اسلامی اصول کی فلاسفی، روحانی خزائن جلد10صفحہ 354)

’’تقدیر کواللہ بدل دیتا ہےاور رونا دھونا اور صدقات فردقرارداد جرم کو بھی ردّی کر دیتے ہیں ۔ اُصول خیرات کا اسی سے نکلا ہے۔ یہ طریق اللہ کو راضی کرتے ہیں۔علم تعبیر الرؤیا میں مال کلیجہ ہوتا ہے۔ اس لئے خیرات کرنا جان دینا ہوتا ہے ۔ انسان خیرات کرتے وقت کس قدر صدق و ثبات دکھاتا ہے ۔ اور اصل بات تو یہ ہے کہ صرف قیل و قال سے کچھ نہیں بنتا ۔ جن تک کہ عملی رنگ میں لاکر کسی بات کو نہ دکھایا جاوے ۔ صدقہ اس کو اسی لئے کہتے ہیں کہ صادقوں پر نشان کر دیتا ہے۔‘‘(ملفوظات جلد اول صفحہ 238)

احادیث رسول ﷺ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فطر کی زکوٰۃ (صدقہ فطر) ایک صاع کھجور یا ایک صاع جَو فرض قرار دی تھی۔ غلام ، آزاد، مرد، عورت، چھوٹے اور بڑے تمام مسلمانوں پر۔ آپ ﷺ نے حکم دیا تھا کہ نماز (عید) کے لیے جانے سے پہلے یہ صدقہ ادا کر دیا جائے۔

(صحیح البخاری کِتَاب الزَّکَاۃ بَابُ فَرۡضِ صَدَقَۃِ الۡفِطۡرِ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ایک صاع کھجور یا جو بطورفطر کی زکوٰۃ ہرآزاداور غلام مرداورعورت غرضیکہ تمام مسلمانوں پرفرض ہے۔

(صحیح البخاری کِتَاب الزَّکَاۃ بَابُ صَدَقَۃِ الۡفِطۡرِ عَلَی الۡعَبۡدِ وَغَیۡرِہٖ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ)

حضرت عبداللہ بن سعد بن ابی سرح عامری نے بیان کیا کہ انہوں نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے سنا۔ آپؓ فرماتے تھے کہ ہم فطرہ کی زکوٰۃ ایک صاع اناج یاگیہوں یا ایک صاع جو یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع پنیر یا ایک صاع زبیب (خشک انگور یا انجیر) نکالا کرتے تھے۔

(صحیح البخاری کِتَاب الزَّکَاۃ بَابُ صَدَقَۃِ الۡفِطۡرِ صَاعًا مِنۡ طَعَام)

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں عیدالفطر کے دن (کھانے کے غلہ سے) ایک صاع نکالتے تھے۔ ابوسعید رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ ہمارا کھانا (ان دنوں) جو، زبیب، پنیر اور کھجور تھا۔

(صحیح البخاری کِتَاب الزَّکَاۃ بَابُ الصَّدَقَۃِ قَبۡلَ الۡعِیۡدِ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ لوگوں کو صدقۃ الفطر نماز عید کے لئے جانے سے پہلے ادا کر دینا چاہئے۔

(صحیح مسلم کِتَاب الزَّکَاۃِ باب الۡاَمۡرِ بِاِخۡرَاجِ زَکَاۃِ الۡفِطۡرِ قَبۡلَ الصَّلَاۃِ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ’’ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر صائم کو لغو اور بیہودہ باتوں سے پاک کرنے کے لیے اور مسکینوں کے کھانے کے لیے فرض کیا ہے۔ لہٰذا جو اسے (عید کی) نماز سے پہلے ادا کرے گا تو یہ مقبول صدقہ ہو گا اور جو اسے نماز کے بعد ادا کرے گا تو وہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہو گا‘‘

(سنن ابی داود کِتَاب الزَّکَاۃِ باب زَکَاۃِ الۡفِطۡرِ)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہماروایت ہیں ۔’’رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر روزہ دار کو فحش اور بیہودہ باتوں سے پاک کرنےاور مسکینوں کی خوراک کے لیے فرض قرار دیا لہٰذا جس نے اسے نماز عید سے پہلے ادا کر دیاتو یہ مقبول زکوٰۃ ہے اور جس نے نماز کے بعد ادا کیا تو وہ عام صدقات میں سے ایک صدقہ ہے‘‘ (سنن ابن ماجہ کتاب الزکاۃ بَابُ: صَدَقَۃِ الۡفِطۡرِ)

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو مکہ کی گلیوں میں منادی کرنے کے لیے بھیجا کہ ’’سنو! صدقہ فطرہر مسلمان مردہویا عورت، آزاد ہو یا غلام، چھوٹا ہو یا بڑا، گیہوں سے دو مد اور گیہوں کے علاوہ دوسرے غلوں سے ایک صاع واجب ہے‘‘

(سنن ترمذی کتاب الزکاۃ عن رسول اللہؐ باب مَا جَاءَ فِی صَدَقَۃِ الۡفِطۡرِ)

ابن ابی بجزان اور علی بن حکم نے صفوان جمال سے روایت کی ہے کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ سے فطرہ کے متعلق دریافت کیا آپ علیہ السلام نے فرمایا یہ چھوٹے بڑے آزاد و غلام ہر انسان پر ایک صاع گندم یا ایک صاع کھجور یا ایک صاع خشک انگور ہے۔

(من لا یحضرہ الفقیہ جلد 2، صفحہ 123، حدیث نمبر 2061، مترجم سید حسن امداد ممتاز الافضل غازی پوری)

ارشادات خلفاء سلسلہ

حضرت حکیم مولوی نور الدین خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

’’جنہوں نے روزہ رکھا ہے ان کے لئے ضروری ہے کہ وہ صدقۃالفطر دیں۔یہ حکم قرآن مجید میں ہے۔چنانچہ فرمایا :وَعَلَی الَّذِیۡنَ یُطِیۡقُوۡنَہٗ فِدۡیَۃٌ طَعَامُ مِسۡکِیۡنٍ ؕ(البقرۃ:185)اور جو لوگ اس فدیہ کی طاقت رکھتے ہیں وہ طعام مسکین دیں۔رسول کریم ﷺ نے تین رنگوں میں اس کی تفسیر فرمائی ہے۔ اوّل یہ کہ انسان عید سے پہلے صدقۃ الفطر دے۔ دوم، جو روزہ نہ رکھے وہ بدلے میں طعام مسکین دے۔دائم المرض ہو یا بہت بوڑھا یا حاملہ یا مرضعہ اِن سب کے لئے یہ حکم ہے‘‘ (خطبات نور صفحہ 411)

ایک اور موقع پر فرمایا ۔

’’مخلوق پر شفقت کرنے کے لئے رمضان کی عید میں صدقۃ الفطر کو لازم ٹھہرایا ۔یہاں تک کہ نماز میں جب جاوے تو اس کو ادا کر لے اور پھر یہ صدقہ خاص جگہ جمع کرے تاکہ مساکین کو یقین ہو جائے کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کی جائے گی‘‘ (خطبات نور صفحہ430)

حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں۔

’’اُن لوگوں پر جو فدیہ دینے کی طاقت رکھتے ہوں ایک مسکین کا کھانا بطور فدیہ دینا واجب ہے ۔اُن(مفسرین) کے نزدیک اس آیت میں صدقۃ الفطر کی طرف اشارہ ہے جو اسلام میں نماز عید سے پہلے ادا کرنا ضروری قرار دیا گیا ہے تاکہ غرباء بھی عید کی خوشی میں شریک ہو سکیں‘‘ (تفسیر کبیر جلد دوم صفحہ 388)

****

بقیہ از صفحہ 8۔توبہ استغفار کی اہمیت

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان فرمودہ بعض وظائف

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پاس جب بعض لوگ بیعت کرنے آتے تو آپ ان کو مختلف وظائف بتاتے چنانچہ بعض روایات سے ان وظائف کا ہمیں پتہ چلتا ہے۔حضرت غلام رسول راجیکیؓ فرماتے ہیں ۔ ’’ایک دفعہ میری موجودگی میں ایک شخص نے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ سے دریافت کیا کہ سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اپنے مریدوں کو کون سے وظائف اور اذکار بتایا کرتے تھے۔حضرت خلیفۃ المسیح اولؓ نے جواباً فرمایا کہ حضرت اقدس علیہ السلام عام طور پر درود شریف ، استغفار، لاحول، سورہ فاتحہ اور قرآن کریم کی تلاوت کا ارشاد فرمایا کرتے تھے۔‘‘ (حیات قدسی صفحہ 223)

سیرت المہدی میں ذکر ہے کہ ’’ بعض لوگ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے بیعت کرنے کے بعد سوال کیا کرتے تھے۔ کہ حضور کسی وظیفہ وغیرہ کا ارشاد فرما ویں۔ اس کا جواب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اکثر یوں فرمایا کرتے تھے۔ کہ نماز سنوار کر پڑھا کریں۔ اور نماز میں اپنی زبان میں دعا کیا کریں۔ اور قرآن شریف بہت پڑھا کریں۔نیز آپ وظائف کے متعلق اکثر فرمایا کرتے تھے۔ کہ استغفار کیا کریں۔ سورۃ فاتحہ پڑھا کریں۔ درود شریف پر مداومت کریں۔ اسی طرح لاحول اور سبحان اللہ پر مواظبت کریں۔ اور فرماتے تھے کہ بس ہمارے وظائف تو یہی ہیں۔‘‘

(سیرۃ المہدی جلد اول صفحہ 507)

ایک روایت میاں خیر الدین سیکھوانیؓ کی ہے کہ ’’ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے ایک شخص کے بار بار بہ تکرار سوال پر استغفار اور لاحول گیارہ گیارہ دفعہ پڑھنے کا بطور وظیفہ فرمایا تھا (سائل کا سوال تعداد معینہ کا تھا)مجھے ٹھیک یاد نہیں رہا۔ شاید درود شریف بھی گیارہ دفعہ پڑھنے کا ساتھ ہی فرمایا تھا۔‘‘

(سیرۃ المہدی جلددوم صفحہ115)

ڈاکٹر محمد ظفر وقار کاہلوں۔امریکہ

انفاق فی سبیل اللہ

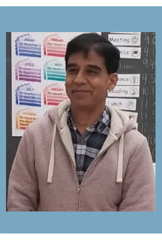

اللہ تعالیٰ انبیاء کے ذریعہ انسانیت کی فلاح و بہبود اور ہدایت کا انتظام فرماتا ہے جو الٰہی تعلیمات اور اپنے عملی نمونہ کے ذریعہ لوگوں کو انسانی ہمدردی کے پیکر بننے کا درس دیتے ہیں۔ بیمار کی تیمارداری کرنا، غریب ، ضرورت مند، مسافر، مظلوم ایسے لوگوں کی خود آگے بڑھ کر مدد کرنا انبیاءکرام کی بعثت کی مرکزی غرض و غایت ہے اورایسی نیکیاں کرنے والے اپنے خالق و مالک کی رضا حاصل کرتے ہیں۔ضروریات زندگی کیلئے رزق کے حصول کیلئے محنت مزدوری یا کاروبار کرنااللہ کا حکم ہے مگر مال و دولت جمع کرنے کو اپنی زندگی کا مقصد بنالینا اور اس دوڑ میں جائز ناجائز کی تمیز بُھلا دینا گویا ہلاکت کے زُمرے میں آئے گا۔ انسان اگر اس خواہش اور کوشش میں رہے کہ غرباء اور حاجت مندوں پر اپنی نیک کمائی کا مال خرچ کرے تو یہ بہت بڑی سعادت اورعظیم نیکی ہوگی۔جماعتِ احمدیہ کے چندوں کے بابرکت نظام کے ذریعہ دُنیاکے مختلف ممالک میں بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے مختلف منصوبوں پر کام ہو رہے ہیں۔غرباء کیلئے ہسپتالوں، سکولوں اور بنیادی ضروریاتِ زندگی کی فراہمی کے منصوبے بفضلِ تعالیٰ کامیابی سے چل رہے ہیں اسی طرح بیواؤں، یتیموں اور غریب طلباکی فلاح و بہبود کے بیشمار منصوبے ہیں۔چندوں کے ذریعہ ان منصوبوں میں حصہ ڈال کر ہم اللہ کا قرب حاصل کر سکتے ہیں۔مالی قربانی کے میدان اوراس کی لامتناہی برکات۔

اللہ کاپسندیدہ اور سب سے بہترین بندہ بننا

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تمام مخلوقات اللہ کی عیال ہیں۔پس اللہ تعالیٰ کو اپنے مخلوقات میں سے وہ شخص بہت پسند ہے جو اس کے عیال(مخلوق) کے ساتھ اچھا سلوک کرتا ہے اور ان کی ضروریات کا خیال رکھتا ہے۔

(شعب الایمان، التاسع والاربعون من شعب الایمان۔7448)

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا مسلمانوں میں سب سے اچھا گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اس کے ساتھ حسن سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں میں سب سے بدترین گھر وہ ہے جس میں یتیم ہے اور اس کے ساتھ بُرا سلوک کیا جاتا ہے۔ (ابن ماجہ کتاب الادب باب حق الیتیم 3679)

اگر ممکن ہو تو یتیم کواپنی کفالت میں لے کر بہترین پرورش اور تربیت کرنی چاہئے، کیونکہ ایسا کرنے والے کاگھر سب سے اچھا گھر بن جائے گا۔ لیکن اگر ذاتی طور پر یتیم کو پالنا کسی کیلئے ممکن نہ ہو تویتامیٰ اور غرباءکی فلاح و بہبود کے منصوبوں میں حصہ ڈال کر انسان اللہ کا محبوب بندہ بن سکتا ہے۔اگر اس نیت سے صدقہ خیرات کریں کہ اللہ کی رضا حاصل ہو تواللہ کی رضا بھی حاصل ہوگی اور مال میں فراخی بھی ہو گی۔

سائل اور محروم لوگوں کے حق کی ادائیگی

جن لوگوں کو اللہ نے مالی فراخی دی ہو،اُن کو سمجھنا چاہئے کہ اُن کے اموال میں غرباء،ضرورت مندوں کا حق ہوتا ہے اور اگر وہ یہ حق ادا نہ کریں اور اپنے اوپر ہی خرچ کرتے رہیں یا جمع کرتے رہیں تووہ اس حقداروں کو اُن کے حق دینے کی بجائے حق دبائے رکھنے کے جرم کے مرتکب ہوں گے اور اللہ کی ناراضگی مول لینے والے ہوں گے اور جن لوگوں کی ایسی حالت میں وفات ہو جائے تو ایسے گناہ کا کفارہ ممکن نہیں ہوگا۔قرآن کریم میں اس کی وضاحت ان الفاظ میں ہے۔

"اور اُن کے مالوں میں مانگنے والوں کا بھی حق تھا اور جو مانگ نہیں سکتے تھے اُن کا بھی(حق تھا)" (الذاریات:20)

یہاں مانگنے والوں سے مراد ایسے غریب افراد ہیں جو اپنی ضرورت کیلئے کسی سے مدد کی درخواست کریں، اسی طرح دینی ضروریات کیلئے چندہ کی ادائیگی کی یاد دہانی کرانے والے بھی مانگنے والوں میں شامل ہوتے ہیں جو اپنی ذات کیلئے نہیں بلکہ دینی ضروریات اور دیگر غربا کیلئے مانگ رہے ہوتے ہیں۔ دوسری طرف جو مانگ نہیں سکتے اس میں اپنے قریبی عزیز رشتہ دار، دوست ہمسائے جو سفید پوشی میں اپنا بھرم رکھنے کیلئے اپنی بنیادی ضروریات کیلئے کسی سے قرض تک بھی مانگنا اپنی عزت کے خلاف سمجھتے ہیں۔ اسی طرح اگر چندہ کی ادائیگی کی یاد دہانی کرانے والے افراد اگر کبھی اپنا فرض ادا نہ کر پائیں تو چندہ دینے والوں کو بن مانگے اپنا چندہ خود ادا کر دینا چاہئے کیونکہ یہ اللہ کے حکم کے مطابق اپنا حق ادا کرنا ہے جیسا کہ اوپر درج شدہ سورہ الذاریات کی آیت میں مذکور ہے۔

رازقِ حقیقی سے تعلق

رزق کے حصول کے ضمن میں یہ امر یاد رکھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ حقیقی رازق ہے اور سب کچھ اُسی کی عطا ہوتی ہے۔کوششوں اور محنت کی توفیق اور پھر محنت کا پھل لگنا اور اس پھل کو کھانے کیلئے صحت مندہوناسب اللہ کے فضل سے ہوتا ہے۔ لہٰذا اُس ذاتِ باری تعالیٰ سے جو تمام اسباب کا پیدا کرنے والا اور تمام مخلوق کا خالق ورازق ہے پر توکل کرنا چاہئے اور اُس کی رضااور خوشنودی کی خاطر تقویٰ اختیار کرتے ہوئے غریب مخلوق کیلئے اپنا مال خرچ کرنا چاہئے ۔جیسا کہ ارشادِ ربّانی ہے۔

اور جو شخص اللہ کا تقویٰ اختیار کرے گا اللہ اُس کیلئے کوئی نہ کوئی رستہ نکال دے گا اور اُس کو وہاں سے رزق دے گا جہاں سے رزق آنے کا اُسے خیال بھی نہیں ہوگا اور جو کوئی اللہ پر توکل کرتا ہے وہ (اللہ) کیلئے کافی ہے ۔ (الطلاق:4،3)

سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ اس تعلق میں فرماتے ہیں۔

"اصل رازق خدا تعالیٰ ہے وہ شخص جو اُس پر بھروسہ کرتا ہے کبھی رزق سے محروم نہیں رہ سکتا، وہ ہر جگہ سے اپنے پر توکل کرنے والے شخص کیلئے رزق پہنچاتا ہے، خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو مجھ پر بھروسہ کرے اور توکل کرے میں اس کیلئے آسمان سے برساتا اور قدموں میں سے نکالتا ہوں۔ پس چاہئے کہ ہر ایک شخص خدا تعالیٰ پر بھروسہ کرے۔" (ملفوظات جلد9 صفحہ 360)

دُکھی غریب مخلوق کا خیال رکھنا،اللہ کی رضا جوئی

حضرت ابو الدرداؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ کوفرماتے ہوئے سنا کہ کمزوروں میں مجھے تلاش کرو(یعنی میں ان کے ساتھ ہوں اور ان کی مدد کرکے تم میری رضا حاصل کر سکتے ہو) یہ حقیقت ہے کہ کمزوروں اور غریبوں کی وجہ سے ہی تم خدا کی مدد پاتے ہو اور اس کے حضور سے رزق کے مستحق بنتے ہو۔

(ترمذی کتاب الجہاد۔1702)

اگر کوئی امیر کاروباری شخص اپنے غریب مزدور کو مناسب معاوضہ نہ دے تو غریب مزدور مجبوراً کام تو کرتا رہے گا مگر اندر سے کُڑھتا رہے گااور عین ممکن ہے امیر کیلئے بد دعا بھی کرنے لگے اور اگر وہ بد دعا نہ بھی کرے تب بھی غریب مجبور پر ظلم کے نتیجہ میں وہ امیر شخص اللہ کے غضب کا مورد بن سکتا ہے۔اسی طرح اگرکسی امیرفرد کے علم میں کوئی حاجت مند آئے اور امیر شخص مدد نہ کرے تو وہ امیر شخص بھی اللہ کے ہاں مجرم ہوگا۔

سیّدنا حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں ۔

"شیخ سعدی لکھتے ہیں کہ ایک بادشاہ کو ناروا کی بیماری تھی، اس نے کہا میرے لئے دُعا کریں کہ اللہ کریم مجھے شفا بخشے تو میں نے جواب دیا کہ آپ کے جیل خانہ میں ہزاروں بے گناہ قید ہوں گے ان کی بد دعاؤں کے مقابلہ میں میری دُعا کب سُنی جا سکتی ہے، تب اُس نے قیدیوں کو رہا کر دیا اور پھر وہ تندرست ہو گیا، غرض خدا کے بندوں پر اگر رحم کیا جاوے تو خدا بھی رحم کرتا ہے جو لوگ دوسروں پر رحم کرتے ہیں ان پر اللہ اور اس کے رسول کو بھی رحم آجاتا ہے دوسروں کے ساتھ بد اخلاق سے پیش آنا اور بے جا طور پر مال اکٹھا کرنا اور اسباب پر ہی گرے رہنا بہت بُری بات ہے۔" (ملفوظات جلد9 صفحہ 369)

اللہ کی مخلوق کی فلاح و بہبود پر خرچ کرنا اللہ کی رضا کا موجب بنتا ہے جو ہماری زندگی کا حاصل ہے، لہٰذا بامراد زندگی گزارنے اور انجام بخیر کیلئے مجبور بے سہارا غریب لوگوں کی مدد کرنانازبس ضروری ہے۔رمضان المبارک میں مالی قربانی کا اجر عام دنوں کی نسبت بہت زیادہ ہے لہٰذا ان دنوں بڑھ چڑھ کر مالی قربانی کرنی چاہئے۔

فراخیٔ رزق اور انفاق فی سبیل اللہ

عام طورپر خرچ کرنے سے مال کم ہوتا ہے مگر اللہ کی خاطر خرچ کرنے سے وقتی طور پر تو مال کم ہوگامگر اللہ اس خرچ کی برکت سے انسان کے رزق میں برکت ڈال دیتا ہے اور بہت سے اخراجات سے اللہ بچا لیتا ہے اور جاب یا کاروبار میں بھی اللہ کا خاص فضل شاملِ حال ہوجاتا ہے۔ یہ گویا ایک تجارت ہے۔

قرآن کریم میں اس بارہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

کیا کوئی ہے جو اللہ کو (اپنے مال کا)ایک اچھا ٹکڑا کاٹ کر دیتاکہ وہاں سے اس کیلئے بہت بہت بڑھائے اور اللہ(کی یہ سُنّت ہے کہ وہ بندہ کا مال) لیتا ہے اور بڑھاتا ہے اور (آخر) تمہیں اُسی کی طرف لوٹایا جائے گا۔ (البقرہ: 246)

جو لوگ اپنے مالوں کو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان(کے اس فعل)کی حالت اس دانہ کی حالت سے مشابہ ہے جو سات بالیں اگائے(اور) ہربالی میں سو دانہ ہو اور اللہ جس کیلئے چاہتا ہے۔(اس سے بھی)بڑھا (بڑھاکر) دیتا ہے اور اللہ وسعت دینے والا(اور)بہت جاننے والا ہے۔ (البقرہ: 262)

اسی طرح صدقہ کو رڈبلا کہا جاتا ہے اور اس کی برکت سے انسان بیماریوں اور بیشمار مسائل سے بچا رہتا ہے۔

فضول خرچی اور کنجوسی کی انتہائیں

اکثر لوگ جن کے مالی وسائل ہوں وہ بڑے اور مہنگے گھر، نئی مہنگی گاڑی ، مہنگے اِن فیشن کپڑوں اور قسما قسم کے کھانوں پر خرچ کرتے رہتے ہیں اور بعض تو فیشن اور دوسروں کی دیکھا دیکھی کی دوڑ میں فضول خرچی کرکے مالی تنگی کا شکار بھی ہو جاتے ہیں۔ بالعموم ایسے لوگ انفاق فی سبیل اللہ میں اپنے قریبی عزیزوں کی حاجات اور غریب جاننے والوں کی بنیادی ضروریات کیلئے خرچ کرنے میں کنجوس ہوتے ہیں یعنی ایک طرف فضول خرچی اور دوسری طرف کنجوسی۔لیکن جو لوگ اللہ کی رضا کیلئے خرچ کرتے ہیں وہ اپنی ذات کیلئے ہر ممکن بچت کرتے ہیں اور اللہ کی رضاکے حصول کیلئے دلی خوشی سے خرچ کرتے ہیں۔فضول خرچ لوگ بسا اوقات فیشن کی دوڑ اور نمود و نمائش میں پھنسے رہتے ہیں جبکہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے محروم رہتے ہیں یاد رہے اللہ فضول خرچوں کو پسند نہیں کرتا لیکن انفاق فی سبیل کرنے والوں کو اللہ کی رضا اور مالی وسعت حاصل ہوتی ہے۔

شکر گزاری کے اثمار اور ناشکری کا انجام

اگر کوئی انسان زبان سے الحمد للہ کا ورد کرتے رہے اور اللہ تیرا شکر ہے کہتا رہے مگر عملی طور پر شکر گزاری نہ کرے تو زبانی شکر محض لاف و گزاف کے سوا کچھ نہیں ہوگا، مثال کے طور پر اگر کوئی شخص اپنے ہمسائے کے مکان گر جانے پر نیا مکان تعمیر کرنے میں دل کھول کر اُس کی مدد کرتا ہے مگر وہ ہمسایہ ضرورت کے وقت اپنے محسن ہمسایہ کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے اوراپنے مکان کی تعمیر نو پر شکر الحمد للہ کا وظیفہ دن رات پڑتا رہے تو شکر الحمد للہ کاوظیفہ بیکار ہوگا۔ اپنے محسن اور علم میں آنے والے ہر حاجت مند کی مدد کرنا اللہ کی شکر گزاری کا عملی طریق ہے۔یہ بھی درست ہے کہ جو بندوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا شکر ادا نہیں کر سکتا اور بغیر کسی غرض اور لالچ یا بنا کسی تعلق کے غرباء،

مساکین کی مدد کرنادراصل اللہ کا شکرادا کرنا ہے۔ قرآن کریم میں شکر گزاری اور ناشکرگزاری کے تعلق میں ارشاد ہے۔

اور(اس وقت کوبھی یاد کرو) جب تمہارے رب نے (انبیاء کے ذریعہ سے) اعلان کیا تھا کہ(اے لوگو!) اگر تم شکر گزار بنے تو میں تمہیں اور بھی زیادہ دوں گا اور اگر تم نے ناشکری کی تو(یادرکھو) میرا عذاب یقیناً سخت (ہواکرتا) ہے۔ (ابراہیم: 8)
رازقِ حقیقی اللہ کی ذات ہے اور انسان کی کوششوں کا ثمرآور ہونااللہ کے فضل سے ممکن ہوتا ہے۔ بعض لوگ چھوٹے کام اور کاروبار سے بہت زیادہ مالدار ہوجاتے ہیں تو بعض باوجود سخت محنت کے تنگ دست رہتے ہیں۔ ہر حال میں اللہ کا شکرگزار بننا انسان کو رضائے باری تعالیٰ کے حصول کاذریعہ بناتاہے اوراللہ کا وعدہ ہے کہ میں شکر گزاری کرنے پر اور بھی زیادہ دوں گا۔ لہٰذا اللہ کا شکرگزار بننا ہی حقیقی کامیابی اور دین و دُنیا کی فلاح کا ضامن ہے اور مالی قربانی کا اصل مفہوم خود کو سخت تنگی میں ڈال کر غربا کی مدد کرناہے۔

خالق ،مخلوق اور جنت کا قُرب اور ان سے دُوری

کسی انسان کا سخی یا بخیل ہونا مالدار یا غریب ہونے سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ انسان کے اللہ پر توکل اور تقویٰ پر منحصر ہوتا ہے۔ بہت سے امیر دیکھے گئے ہیں جو انتہائی بخیل ہونے کے علاوہ بد اخلاق اور بد تہذیب بھی ہوتے ہیں۔ لیکن بعض امیر شخص اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہ کمال کے سخی، حلیم اور بااخلاق ہوتے ہیں۔دوسری طرف بہت سے غریب لوگ کمال سخی ہوتے ہیں جبکہ کئی غریب بہت بخیل ہوتے ہیں۔بہرحال سخی اوربخیل ہونااللہ سے تعلق اور تقویٰ کی بنیاد پر ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا سخی اللہ کے قریب ہوتا ہے لوگوں سے قریب ہوتا ہے اور جنت کے قریب ہوتا ہے اور دوزخ سے دور ہوتا ہے۔ اس کے برعکس بخیل اللہ سے دور ہوتا ہے۔ لوگوں سے دور ہوتا ہے۔ جنت سے دور ہوتا ہے لیکن دوزخ کے قریب ہوتا ہے۔ ان پڑھ سخی، بخیل عابد سے اللہ عزّوجل کو زیادہ محبوب ہے۔ (ترمذی کتاب البر والصلۃ۔1961)

ایڈیٹر کی ڈاک

تاثرات۔آراء۔تجاویز

مکرم مصباح الھدیٰ شاہد لکھتے ہیں۔

حضرت سید ولی اللہ شاہ رحمۃ علیہ کی سیرت وسوانح کا مضمون بہت ہی شاندار تھا۔اسے پڑھ کر علم میں مزید اضافہ ہوا۔اللہ تعالیٰ اس مضمون کو لکھنے والےکو جزا دے اور ایڈیٹر صاحب اور آپ کی ٹیم پر اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرماتا چلا جائے۔آمین

مکرمہ زاہدہ یاسمین لکھتی ہیں۔

الفضل اور میں جو لمحہ فراغت ایک دوسرے کے ساتھ صرف کرتے ہیں وہ شاید نہیں بلکہ یقیناً میرے باقی تئیس مصروف گھنٹوں پر حاوی ہو جاتے ہیں۔

آج کے شمارے میں گزشتہ چند روز سے جاری مکرم حافظ مظفر احمد کا معرکہ آرا مضمون عشق و محبت رسولﷺ کے ایسے در وا کر رہا ہے کہ دل پگھل پگھل جاتا ہے کہ اے خدا! ہم کمزوروں کو بھی قرآنی لعل و جواہرات کے اس بحرِبے کراں میں غوطہ زن ہونے کی توفیق عطاہو۔ مکرم نصیر احمد قمر کا مضمون ہر احمدی کو بطور مبلغ اور داعی الی اللہ اس کی ذمہ داریوں کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اسی طرح مکرم نعیم احمد باجوہ کا مضمون ہر ذی شعور کے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ قرآنی احکامات اور ہمارے طرز عمل بعض اوقات کس قدر دوری اور ٹھوکر کا باعث بن سکتا ہے۔ باقی تحاریر و نظمیں بھی ماشاء اللہ لا جواب اور پُر اثر ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیشہ آپ کے ساتھ ہو اور صحت و سلامتی کے ساتھ آپ کو فرائض کی انجام دہی کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

رمضان کا چاند دیکھ کر

آج وہ روز سعید ہے کہ نہیں جس کی مثال
افق مغرب پہ نظر آیا ہے رمضان کا ہلال
یہ وہ ماہ ہے کہ ہوا اس میں نزول قرآن
جس میں جلوہ فگن اس ذات کا حسن و جمال
یہ وہ ماہ ہے کہ دعا ہوتی ہے فوراً قبول
کوئی بھی رد نہیں ہوتا ہے بندے کا سوال
سبھی ڈھل جاتے ہیں واللہ گناہ اک دم میں
عرق چشم رواں کر دے اگر بد اعمال
مل نہیں سکتا بجز تزکیہ نفس خدا
ماہ رمضان کا یہ مقصد ہے کہ ہوں نیک خصال
دن کو ہے حکم الٰہی کہ نہ کھاؤ نہ پیو
نظر بد سے بچو اور زباں رکھو سنبھال
نیک اعمال سے ہو کام تمہیں ہر لحظہ
ذکر الٰہی کے سوا کوئی نہ ہو قیل و قال
خشک منہ سے مہک آتی ہے خدا کو یارو
قول مذکور ہے یہ دیکھو کتاب اقوال
اجر ہے اس کا بڑا پیش خدائے اکبر
گرچہ انساں بہت ہوتا ہے روزہ سے نڈھال
غرض اس ماہ کے فضائل کا نہیں حد بیان
علم اللہ کو ہے بندہ کو نہیں اس میں مجال
ہر گھڑی پر سعادت ہے نہ ہو گر غفلت
فیض سے اس کے نہیں کوئی بھی خالی حد وسال
خیر سے جب یہ مہینہ کہ گزر جائے گا
سانس باقی ہیں تو پائیں گے بشر ماہ شوال
ذوالمنن! جاؤں میں صد جاں سے تیرے قربان
کس قدر ماہ مبارک کا مبارک ہے مآل
رستے سب جنت فردوس کے کھل جاتے ہیں
نار دوزخ کا ہے انساں پہ اثر کرنا محال
اے خدا تو کہ ہے لا ریب مجیب الدعواۃ
تیری درگاہ میں منظور ہو میرا یہ سوال
رب کعبہ مری مشکل کو تو آساں کر دے
کوئی بھی بات نہیں تیرے لئے تو ہے محال
بخش دے بسمل عاصی کی خطائیں اور کر
اپنی رحمت سے غریب اور مسافر کو نہال

(میاں فضل الرحمان بسمل مرحوم)

زبیر خلیل خان ڈائریکٹر ہیومنٹی فرسٹ برائے بلکان ممالک

کرونا وائرس کی وبا کے دوران ہیومینیٹی فرسٹ بلکان ممالک کی خدمت میں پیش پیش

دنیا کے بیشتر ممالک اس وقت کرونا وبا کا شکار ہیں۔ اور اس وبا سے نمٹنے کےلئے مختلف تدابیر اختیار کر رہے ہیں۔ جماعت احمدیہ کے پیارے امام ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز بھی اپنے مختلف خطبات میں اس وبا کے پیش نظر ضرورت مندوں کی امداد، ممکنہ حفاظتی تدابیراورصفائی کے معیار کو بہتر بنانے کی طرف عوام الناس کی آگاہی کی ضرورت کی اہمیت کی طرف تسلسل سے توجہ دلا رہے ہیں۔ہیومینیٹی فرسٹ کی طرف سے حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ کی ہدایات کی روشنی میں عوام الناس کو اس وبا سے بچنے اور صفائی کے معیار کو بہتر بنانے کے لئےآگاہی کی خاطر ایک مختصر پمفلٹ تیار کیا گیا اور فوری طور پر بلکان ممالک کو مقامی زبان میں ترجمہ کےلئے اوربعدازاں مطلوبہ تعداد میں شائع کرنے کے لئے بھجوا دیا گیا۔ اور ساتھ ہی بلکان ممالک جن میں البانیا، بازنیا، بلغاریہ، کروشیا، کوسوواور مقدونیہ شامل ہیں ان کو مقامی ضروریات کا جائزہ لینے اورہیومینیٹی فرسٹ کو فوری طور پر مطلع کرنے کے بارہ میں درخواست کی گی۔ علاوہ ازیں فوری طورپر ان تمام ممالک کے علاوہ ہنگری اور مالٹا میں بھی کرونا وبا سے بچنے کے لئے حفاظتی ہومیو پیتھی ادویات فوری طور پر روانہ کر دی گئیں۔

الحمد للہ تمام ممالک نے پمفلٹ کا مقامی زبان میں ترجمہ فوری طورپر مکمل کیا اور مطلوبہ تعداد میں شائع بھی کرلئے۔کروناوبا کی وجہ سے تمام ممالک میں ہی لاک ڈاؤن لاگوتھالیکن پیارے حضور انورایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی دعاؤںاورجماعت احمدیہ اور ہیومینیٹی فرسٹ کی نیک نامی کی بدولت تمام ممالک نے لاک ڈاؤن کے باوجود ہیومینیٹی فرسٹ کی ٹیموں کو ضرورت مندوں کی خدمات کی کھلے دل سے اجازت مرحمت کر دی۔ الحمد للہ۔ ہدایات کے مطابق تیار کئےجانے والے پیکٹوں میںآگاہی پمفلٹ کے علاوہ گروسری کی 14 اہم اور ضروری اشیاء، صفائی والی اشیا، جراثیم کش اشیاء،ڈس انفیکشن میٹیریل،ٹایلٹ کی اشیاء،ماسک،دستانےاور دیگر سینی ٹائزر شامل تھے۔ مختلف ممالک میں پیکٹس اور دیگر تقسیم ہونے والی اشیا درج ذیل ہیں۔

البانیا کے دارالحکومت ترانہ میں یک صد دس اور شہرشکودرا میں یک صد کی تعداد میں یہ پیکٹس تقسیم کئے گئے۔ شہر کی میونسپلٹی حکام نے پوری مدد کی اور شمولیت بھی کی۔

بازنیا کے شہر کوزارسکا ڈوبیٹا میں چھ صد افراد اور شیر زاویڈو وچ میں تین صد افراد میں مدد تقسیم کی۔ شہر کے میرز اور دیگر سرکاری حکام نے پورا تعاون کیا اور خود بھی شامل ہوئے۔

بلغاریہ میں چند صد افراد کی نارمل مدد کے علاوہ شہر بلاگوایوگراڈ میں میونسپلٹی کی درخواست پر مقامی ہسپتال میں رسپری ایٹر بھی مہیا کیا گیا جو نصب کیا جا رہا ہے۔

کوسوا کی طرف سے سب سے زیادہ سرگرمیاں کی گئیں۔ اس ملک میں فائدہ اٹھانے والے افراد کی تعداد دو ہزار چار سو پچاس افراد سے بھی زیادہ ہے۔ جن میں اسکول کے بچے، ہسپتال کا عملہ، پولیس کا عملہ اور دیگر ضرورت مند شامل ہیں۔ شہر پرسٹینا اورجیلا شہر میں سرگرمیاں کی گئیں وہاں کے میر صاحبان اور دیگر حکام نے پوری مدد بھی کی اور تمام پروگراموں میں شمولیت بھی کی اور میڈیا میں بھی بہت پذیرائی ملی۔

کروشیا کے دارالحکومت زاغرب اور سٹی کونسل بریزوشا اور مخصوص بچوں کے اسکول کو مدد مہیا کی گی سٹی کونسل کی صدر محترمہ مارینا نے پوری مدد کی اور شامل بھی ہوئیں۔پچاس کے قریب ضرورت مند بچوں اور یک صد کے لگ بھگ ضرورت مندوں کو مدد مہیا کی گی۔

مقدونیا کے دوشہروں بیروا اور پیچووا میں سات صد ستر افراد میں ضرورت کی تمام اشیا تقسیم کیں اور ایک ہزار افراد میں آگاہی پمفلٹس تقسیم کئے۔ شہر کے میئر نے پوری مدد کی اور شامل بھی ہوئے۔میڈیا پر بھی بہت پذیرائی ملی۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کی خدمت قبول فرمائےاوردنیاکو اس وباسے جلدنجات دے۔ آمین

ڈاکٹر محمد علی

صداقتِ انبیاء کے پانچ قرآنی معیار

دنیا کے اکثر علاقوں ، قوموں اور مختلف زمانوں میں ایسے بزرگ انسان پیدا ہوتے رہے ہیں جنہوں نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ خدا تعالیٰ کی طرف سے انسانوں کی رہنمائی کے لئے مامور ہوئے ہیں ، یہ نبی رسول اور اوتار کہلائے ہیں،بائبل اور قرآن کریم میں انبیاء کا کثرت سے ذکر آیا ہے۔ قرآن کریم سے ہم یہ بات دیکھتے ہیں کہ ہمیشہ ایسے انسانوں کا اور ان کے دعاوی کا انکار کیا گیا ۔ یہ ہماری خوش قسمتی ہے کہ قرآن کریم نے اس موضوع پر تفصیل سے ہماری رہنمائی فرمائی ہے ۔ جہاں انبیاء کرام کی تاریخ بیان فرمائی ہے اور منکرین کے انکار کی تفصیلی وجوہات بیان فرمائی ہیں وہاں ان منکرین کی تباہی اور بربادی کا بھی ذکر کیا ہے۔ قرآن کریم نے انبیاء کرام اور بالخصوص آنحضور ﷺ کی صداقت پر اصولی دلائل پیش کئے ہیں ۔ اِن دلائل کے اندر وہ ابدی صداقتیں بیان کی ہیں کہ اب ہم کسی بھی مدعی نبوت کی صداقت اُن اصولوں اور پیمانوں سے آزما سکتے ہیں ۔

آج مسلمان کہلانے والوں اور ماننے والوں کی ایک بڑی اکثریت اس وجہ سے ایمان رکھتی ہے کہ اُن کے آباؤ اجداد یہی عقائد رکھتے تھے اور وہ پیدائشی مسلمان ہیں۔ لیکن سچی بات یہ ہے کہ نتائج کے لحاظ سے ایسے ایمان کی اہمیت بہت کم ہے اور ایسا ایمان وہ نتائج کبھی پیدا نہیں کرسکتا جو انبیاء کرام پر ایمان کا لازمی نتیجہ ہے ، نہ روحانی تبدیلی کے لحاظ سے نہ اعمال میں اصلاح کے لحاظ سے نہ علمی ترقیات کے لحاظ سے۔ یہ بات عملاً ہمارے سامنے ہے اور کسی تفصیلی ثبوت کی ضرورت نہیں ۔

سچی بات یہ ہے کہ ایمان تب ایمان کہلائے گا جب وہ مضبوط اور یقینی بنیادوں پر قائم ہو اور ایسے شواہد اور آثار کا نتیجہ ہو جس کا انکار ممکن نہ ہو۔ صرف ایسا ایمان ہی حقیقی تبدیلی اور نتائج کا باعث بنے گا ۔جس کی جڑیں دلائل کی ٹھوس زمین میں مضبوطی سے قائم ہوں اور جس کی شاخیں آسمان تک جاتی ہوں ۔ جس طرح بصارت کا لفظ آنکھوں دیکھی حقیقت کے لئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح ’’بصیرت‘‘فہم و ادراک کی آنکھ سے دیکھنے کو کہتے ہیں ۔ قرآن کریم انبیاء اور ان کے ماننے والوں کے لئے یہی معیار مقرر فرماتا ہے ۔

کہ وہ ’’بصیرت‘‘کے ساتھ اپنے عقائد پر قائم ہوتے ہیں ۔

قُلۡ ہٰذِہٖ سَبِیۡلِیۡۤ اَدۡعُوۡۤا اِلَی اللّٰہِ ۟ؔ عَلٰی بَصِیۡرَۃٍ اَنَا وَ مَنِ اتَّبَعَنِیۡ ؕ وَ سُبۡحٰنَ اللّٰہِ وَ مَاۤ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ یوسف :109) ترجمہ: آپ کہہ دیجئے یہی میری راہ ہے۔ میں اور میرے متبعین اللہ کی طرف بلا رہے ہیں، بصیرت پر قائم ، پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ اور اللہ پاک ہے اور میں مشرکوں میں سے نہیں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن کریم انبیاء کرام پر ایمان لانے کے لئے اور ایسے علیٰ وجہِ البصیرت ایمان پر قائم ہونے کے لئے کیا طریق بتا تا ہے ؟ اور کیا دلائل پیش فرماتا ہے ؟

پہلی دلیل

انبیاء کرام کی شناخت کے لئے پہلا اور سیدھا سادا معیار تو اُن کی شخصیت اور سیرت و سوانح ہیں ! ہم روزمرہ کے تجربے سے جانتے ہیں کہ انسانی شخصیت ایک لمبے عرصے کے تجارب اور واقعات کے اندر سے تشکیل پاتی ہے ۔ اسی طرح انسانی ہستی (Personality) کچھ جینیاتی (Genetic)اورساختیاتی (Structural) بنیادوں پر قائم ہوتی ہے ، یہی وجہ ہے کہ ایک انسان کی بنیادی شخصیت بڑی حد تک ایک خاص فریم کے اندر ہی رہتی ہے اور یہی ہر شخص کی پہچان ہوتی ہے ۔ گویا چالیس پچاس سال تک ایک شخص کی جو شخصیت اور ہستی رہتی ہے وہ اچانک مخالف سمت میں تبدیل نہیں ہو سکتی ۔

اس عقلی بنیاد کو اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دعویٰ نبوت کی صداقت ثابت کرنے کے لئے بطور دلیل کے پیش کیا ہے ۔ کیونکہ مکہ کے لوگ ساری زندگی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند معیارِ امانت و دیانت اور اعلیٰ سیرت و کردار کے دل سے قائل تھے ۔ یہی اس دلیل کی بنیاد ہے۔

فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡکُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِہٖ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ (یونس:17)

ترجمہ: دیکھو میں اس (دعویٰ نبوت) سے پہلے ایک بڑا حصہ عمر کا تم میں گزار چکا ہوں۔ (یعنی میری شخصیت اور سیرت سوانح تمہارے سامنے ہیں) پھر کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔ گویا ازروئے قرآن کسی مدعی نبوت کی سیرت و سوانح قبل از نبوت اس کے دعوی پر بڑی دلیل ہے !

دوسری دلیل

ہم جب غور سے دیکھتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی ذات ، اللہ تعالیٰ کا کسی سے ہمکلام ہونا، نبی کی نبوت کا معاملہ اور اُس کی پیشگوئیوں کا مستقبل وغیرہ ، تمام ایسے امور ہیں جو عملاً انسانی فہم و ادراک سے قطعی اوجھل ہیں اور درحقیقت یہ تمام باتیں ایسے غیب پر مشتمل ہیں جو کسی انسان کے بس سے باہر ہیں کہ اُن کا علم پا سکے ۔ پھر کسی نبی کی نبوت پر عام عقلِ انسانی کیسے علیٰ وجہِ البصیرت ایمان لا سکے؟ چونکہ اللہ تعالیٰ اس امر سے بخوبی آگاہ ہے اس لئے اس کا حل بھی اُسی نے پیدا کیا۔ جہاں انبیاء ایسے امور پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں جو عقلِ انسانی سے اوجھل ہوتے ہیں (یا فی الوقت اوجھل ہوتے ہیں جیسے مرنے کے بعد کیا معاملات در پیش ہوں گے؟ اِس خدائی جماعت کا آخر کار انجام کیا ہو گا اور دیگر بہت ساری ایسی باتیں۔) اس لئے اللہ تعالیٰ انبیاء کرام کے ذریعہ بعض وہ امور غیبیہ ظاہر کردیتا ہے جو عام انسانوں کے مشاہدہ میں آتی ہیں اور جن کے ذریعے عام لوگ خدا تعالیٰ کی ہستی، اُس کی بے انتہا قدرتوں اور لامحدود علم اور اُس نبی کے اللہ تعالیٰ سے علم پانے کے دعاوی کے بارے میں ایک یقین کا مرتبہ حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ انبیاء کی شناخت کا ایک زبردست ذریعہ بن جاتا ہے ۔ درحقیقت ’’نبی‘‘ کے لغوی معنی ہی اللہ تعالیٰ سے بکثرت غیب کی خبریں پانے والا انسان ہے۔ایسی خبریں جب کثرت سے لوگوں کے سامنے پوری ہوں تو ایک غیر معمولی دبدبے اور شوکت کے ساتھ نبی کے نبوت اور دعاوی پر دلیل ہوتی ہیں اور ایمان علیٰ وجہِ البصیرت کا باعث بنتی ہیں۔ اس امر کی طرف اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں اشارہ فرماتا ہے ۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ’’غیب‘‘ کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے اور صرف وہی اُس کے پیغمبروں پر وہ ایسے امور غیبیہ ظاہر فرماتا ہے ۔ گویا ہمارے ہاتھ میں انبیاء کی شناخت کا ایک بڑا ذریعہ آگیا ہے ۔

عٰلِمُ الۡغَیۡبِ فَلَا یُظۡہِرُ عَلٰی غَیۡبِہٖۤ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارۡتَضٰی مِنۡ رَّسُوۡلٍ فَاِنَّہٗ یَسۡلُکُ مِنۡۢ بَیۡنِ یَدَیۡہِ وَ مِنۡ خَلۡفِہٖ رَصَدًا (الجن: 29-28) وہ اللہ تعالیٰ ہی غیب کا جاننے والاہے اور اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتاسوائے اس پیغمبر کے جسے وہ پسند کرلے لیکن اس کے بھی آگے پیچھے پہریدار مقرر کردیتا ہے۔

انبیاء کرام کی پیش گوئیاں جو شرائط کے مطابق پوری ہوتی ہیں ان کے دعاوی پر ایک عظیم الشان دلیل ہوتی ہیں ، ان کے نتیجے میں ہی وہ زبردست ایمان پیدا ہوتا ہے جو انسانوں کو غیر معمولی قربانیوں پر آمادہ کردیتی ہیں اور بے شمار روحانی عملی اور اخلاقی تبدیلیوں کا ذریعہ بنتی ہیں۔

تیسری دلیل

انبیاء کرام کی صداقت پر اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں عام فہم انداز میں عام انسانی معاشروں اور دنیاوی بادشاہوں کے انداز حکومت سے بھی دلائل پیش فرمائی ہیں ۔ یہ امر ایک پیچیدہ امر کو عام فہم بنا دیتی ہے ۔ دنیا میں کہیں بھی کوئی حکومت یہ امر برداشت نہیں کرسکتی کہ کوئی شخص جھوٹے طور پر حکومت یا بادشاہ کی طرف سے مقرر کردہ افسر یا نمائندہ بن کر عوام میں جائے اور جھوٹ موٹ سے اپنی اتھارٹی اور رعب قائم کرکے دھوکے سے اپنے مفاد حاصل کرے ۔ ایسا شخص بہت جلد پکڑا جاتا ہے اور قرار واقعی سزا پاتا ہے۔

آسمانی بادشاہت کے مالک اور عالم الغیب خدا جو قادر مطلق بھی ہے اور بادشاہوں کا بادشاہ ہے ، نے اپنے بندوں کو کسی ابتلاء یا گمراہی میں پڑنے سے بچانے کے لئے یہی انتظام کیا ہے ۔ کوئی شخص خدا تعالیٰ کے نام سے اسی کا فرستادہ بن کر انسانوں کو گمراہ کرے ، یہ ممکن ہی نہیں ۔ اور چونکہ خدا تعالیٰ عالم الغیب اور قادر مطلق بھی ہے اس لئے کوئی شخص جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر بھی لے تو یہ ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ کی پکڑ سے بچ سکے ۔ درحقیقت قرآن کریم نے کہیں پر بھی جھوٹی نبوت کے فتنے سے ہمیں خبردار نہیں کیا کیونکہ یہ ممکن ہی نہیں ۔ اگر جھوٹی نبوت کا امکان تسلیم کر لیا جائے تو پھر گزشتہ تمام انبیاء کی نبوت خطرے میں پڑ جائے گی۔

مذہب کی تاریخ میں یہ ایک قدیم مسلمہ اصول کے طور پر مانا گیا ہے ۔ ہم تورات میں اس مسئلے کا ذکر یوں دیکھتے ہیں ۔

’’وہ نبی جو ایسی گستاخی کرے کہ کوئی بات میرے نام سے کہے جس کے کہنے کا میں نے اسے حکم نہیں دیا یا اور معبودوں کے نام سے کہے تو وہ نبی قتل کیا جائے۔‘‘ (استثنا 18:20)

یہ ایک مسلّمہ اصول ہے کہ اللہ تعالیٰ پر بقائم ہوش وحواس ، جھوٹ باندھ کر وحی و الہام کا دعویٰ کرنا اور خود کو ایک افتراء کے طور پر نبی اور رسول کے پیش کرنا ، ایک سنگین گستاخی ہے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو گمراہ کرنے اور فتنہ عظیم برپا کرنے کی کوشش ہے ۔ یہ قطعی ممکن نہیں کہ ایسے شریر مفتری کو اللہ تعالیٰ بغیر پکڑ کے چھوڑ دے ۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جیسی جلیل القدر نبی کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ اسی اصول کو بیان کرکے اُن کی سچائی اور حقانیت پر ایک قوی دلیل لاتاہے ۔

فرمایا ۔ وَلَوۡ تَقَوَّلَ عَلَیۡنَا بَعۡضَ الۡاَقَاوِیۡلِ ۔ لَاَخَذۡنَا مِنۡہُ بِالۡیَمِیۡنِ ۔ ثُمَّ لَقَطَعۡنَا مِنۡہُ الۡوَتِیۡنَ ۔ فَمَا مِنۡکُمۡ مِّنۡ اَحَدٍ عَنۡہُ حٰجِزِیۡنَ ۔ (الحاقہ :45تا48)

ترجمہ:اور اگر یہ ہم پر کوئی بھی بات بنا لیتا۔تو البتہ ہم اس کا داہنا ہاتھ پکڑ لیتے۔پھر اس کی شہ رگ کاٹ دیتے۔پھر تم میں سے کوئی بھی مجھے اس سے روکنے والانہ ہوتا۔

بنیادی طور قرآن کریم نے تورات ہی کے اس قدیم اصول کو دوبارہ پیش فرما کر اور آنحضور ﷺ پر اُس کا اطلاق فرما کر یہود و نصاریٰ کے لئے ایک زبردست دلیل بنادی جس کا انکار ممکن نہیں ۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی طے ہوا کہ یہ قدیم اصول ہمیشہ کے لئے ایک لٹمس ٹیسٹ ہے اور خداتعالیٰ کے ساتھ وحی کا دعویٰ منسوب کرنے والے کی سچائی کی پہچان کے لئے ایک زبردست ثبوت ہے۔ اس کی بنیاد یہ بات ہے نبوت و رسالت کا جھوٹا دعویٰ یا بذریعہ وحی خدا تعالیٰ کی طرف ماموریت کا جھوٹا دعویٰ ایک ایسی چیز ہے جو لاکھوں کروڑوں لوگوں کی گمراہی کا باعث بن سکتا ہے اور وہ بھی خدا تعالیٰ کے نام پر ، اور اُس کی محبت میں ۔ مزید یہ بات کہ اگر جھوٹوں اور مفتریوں کی ایسی خدائی پکڑ نہ ہو تو تمام انبیاء کرام علیہم السلام جو گزشتہ زمانوں میں گزرے ہیں ان سب کے دعاوی مشکوک ہوجائیں ۔

چوتھی قرآنی دلیل

مفتری یعنی جھوٹا دعویٰ بنوت کرنے والے کو کبھی کامیابی نہیں مل سکتی ۔ قرآن کریم کی سورۃ انعام آیت 22میں اللہ تبارک و تعالیٰ نہایت واشگاف الفاظ میں ایک اصول بیان فرماتا ہے ۔وَمَنۡ اَظۡلَمُ مِمَّنِ افۡتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوۡ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ ؕ اِنَّہٗ لَا یُفۡلِحُ الظّٰلِمُوۡنَ ۔ ترجمہ: اور اس سے زیادہ بےانصاف کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اللہ کی آیات کو جھوٹا بتلائے ایسے بےانصافوں کو کامیابی نہ ہوگی۔

جھوٹ بولنا ایک نہایت مکروہ فعل ہے ، پھر اُس سے بڑھ کر کسی پر جھوٹا بہتان باندھنا ہے ، اور سب سے بڑا جرم تو اللہ تبارک و تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا ہے۔ یعنی یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے مامور کیا ہے اور مجھے اُس کی طرف سے وحی ہوتی ہے ۔ یہ بہت بڑا جرم ہے اور ظلم عظیم ہے۔ ایسے جھوٹے کے بارے میں قرآن کریم فرماتا ہے کہ اُس سے بڑا مجرم کوئی نہیں اور ایسا مدعی کبھی کامیابی نہیں پاسکتا۔گویا آنحضورؐ کی

باقی صفحہ 13پر

رضوان احمد سندھو۔امریکہ

مکرم سلطان احمد سندھو کا ذکر خیر

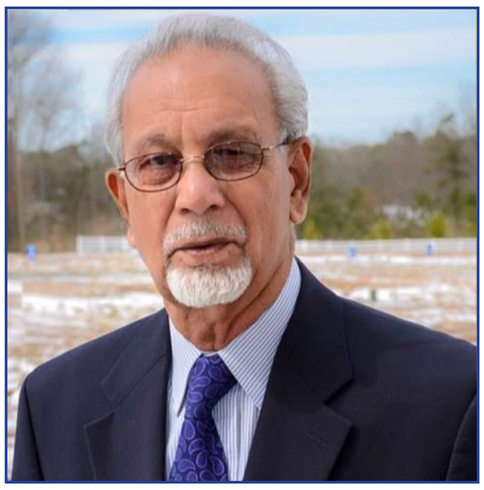

ہمارے بہت ہی پیارے ، محبت کرنے والے، نہایت مہربان والدِ محترم سلطان احمد سندھو 21 مارچ 2020ء بروز ہفتہ صبح 8 بجے 87 برس کی عمر پاکر اس جہانِ فانی کو چھوڑ کر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

ان کی جائے پیدائش پاکستان میں گولیکی ضلع گجرات کی ہے ۔ میرے دادا جان کا نام منشی احمدین اور دادی جان کا کرم بھری تھا۔ دادا جان قبولِ احمدیت سے پہلے بھی ایک نیک اور دعا گو انسان کے طور پر جانے جاتے تھے۔ 1928ء میں دادا جان کی شبانہ روز متضرعانہ دعاؤں کے نتیجہ میں انہیں خواب میں ”مرزا غلام احمد اہم ہستی“ کے الفاظ ایک سفید کاغذ پر لکھے ہوئے دکھائے گئے۔ جس پر آپ فوراً بیعت کرکے حلقہ بگوشِ احمدیت ہوگئے۔ آپ اپنے خاندان کے پہلے فرد تھے جنہیں احمدیت قبول کرنے اور حضرت مولوی امام دینؓ اور حضرت مولانا غلام رسول راجیکیؓ جیسے جیّد صحابہ کے قریبی ساتھی بننے کا اعزاز حاصل ہوا۔فالحمدللہ احمدیت قبول کرنے سے پہلے دادا جان کی 4بیٹیاں اور ایک بیٹا تھا۔ 4روں بیٹیاں وفات پاچکی تھیں اور صرف ایک بیٹا حیات تھا ۔ بیعت کے بعد اللہ تعالیٰ نے آپ کو 5 بیٹے عطا فرمائے۔ یوں ہمارے والد صاحب 6 بھائی تھے ۔ جن میں چوہدری نذر محمد صاحب مرحوم ، چوہدری سعید احمد صاحب گولیکی مرحوم ، چوہدری عطا محمد صاحب مرحوم ،(ابا جان) سلطان احمد صاحب سندھو مرحوم ، چوہدری فضل احمد صاحب مرحوم اور چوہدری عنایت اللہ صاحب مرحوم شامل ہیں ۔ یہ سب مخلص اور فدائی احمدی تھے جن میں سے 5 بھائی موصی تھے اور ان سب کو حسب حال جماعت کی خدمت کرنے کی توفیق ملی ۔

والد صاحب نے اپنی جائے پیدائش گولیکی سے لے کر ابدی آرامگاہ (ورجینیا)امریکہ تک بڑی فعال اور پُر وقار زندگی گزاری۔ انہوں نے اپنی عملی زندگی کا آغاز پاکستان ایئر فورس سے کیا ۔ بعد ازاں محکمہ بہبود آبادی سے ڈویژنل ڈائریکٹر کے طور پر ریٹائر ہوئے۔ ریٹائرمنٹ کے موقع پر جب اُن کی الوداعی دعوت ہوئی تو اُن کے رفقاء کار نے اُنہیں ان الفاظ کے ساتھ رخصت کیا کہ ”آج ہمیں ایک فرشتہ چھوڑ کر جا رہا ہے“ریٹائرمنٹ کے بعدپاکستان کی معروف سماجی شخصیت اور سابق وفاقی وزیر ڈاکٹر عطیہ عنایت اللہ کی دعوت پر آپ نے 1993ء سے 1998ء تک ان کی این جی او”پاپولیشن ویلفیئر آرگنائزیشن“میں سینئر ڈائریکٹر کے طور پر کام کیا۔ آپ نے چوہدری انور حسین صاحب امیر ضلع شیخوپورہ کے ساتھ 1984ء سے 1988ء تک نائب امیر ضلع کے طور پر خدمات سرانجام دیں اور اسی طرح گوجرانوالہ میں میاں غلام احمد صاحب کے ساتھ بھی 1989ء سے1992ء تک نائب امیر ضلع کے طور پر کام کرنے کا موقع ملا۔ 1998ء میں امریکہ آنے کے بعد آپ 10سال تک نیویارک میں مقیم رہے ۔ اس دوران آپ نے صدر جماعت نذیر احمد ایاز صاحب کے ساتھ ان کے معاون کے طور پر شبانہ روز کام کیا ۔ مربی صاحب کی عدم موجودگی میں آپ کو امام الصلاۃ مقرر کیا جاتا - نیویارک سے بوسٹن میں کچھ برس قیام کرنے کے بعد آپ 2013ء میں رچمنڈ (ورجینیا) چلے آئے اور اپنی وفات تک یہیں قیام پذیر رہے ۔ والد صاحب لڑکپن سے ہی تقویٰ کی راہوں پہ گامزن تھے۔ تقسیم ہند کے وقت آپ کی عمر 14 اور 15 برس کے درمیان تھی۔ گاؤں سے کچھ سکھ خاندان ہندوستان منتقل ہو گئے۔ ان میں سے ایک خاندان والے اپنی 2 چارپائیاں دادا جان کے پاس امانتاً رکھوا گئے۔ ہمارے ابو کبھی اُن چارپائیوں کو اپنے تصرف میں نہ لاتے اور یہی کہتے کہ یہ چارپائیاں ہمارے پاس امانت ہیں۔ جن لوگوں کو آپ کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا وہ آپ کی منتظمانہ صلاحیتوں کے علاوہ آپ کی صاف گوئی ، دیانتداری اور راستبازی کے معترف تھے ۔ آپ اپنا ایک خواب اکثر سنایا کرتے تھے کہ حضرت خلیفۃ المسیح ثالث رحمہ اللہ امتحان لے رہے ہیں – آپ اپنا پرچہ حل کرنے کے بعد حضور کی خدمت میں پیش کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی آپ کی آنکھ کھل جاتی ہے۔اس خواب کے بعد طبعاً آپ کے دل میں نتیجے کے بارے میں تشویش پیدا ہوئی تو آپ نے کئی روز تک تضرع کے ساتھ دعائیں کیں تو اسی دوران آپ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام انہیں سنہری حاشیے میں ایک دیدہ زیب سرٹیفکیٹ عنایت فرماتے ہیں ۔جسے پاکر انہوں نے ہمیشہ اپنی طبیعت میں یہ انشراح محسوس کیا کہ حضرتِ اقدس نے انہیں امتحان میں کامیابی پر خوشنودی کا سرٹیفکیٹ عطافرمایا ہے - اس بابرکت خواب کو بکثرت بیان کرنے کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ وہ اپنے متعلقین کو ان روحانی برکات کے حصول کی اہمیت سے آگاہ کرنا چاہتے تھے جن سے انہوں نے خدا تعالیٰ کے فضل وکرم کے ساتھ حصہ پایا تھا –

ہمارے پیارے ابا جان تمام عمر پابندِ صوم وصلوۃ رہے۔ آپ ہمیشہ نمازوں کو قائم کرنے کی تلقین کیا کرتے تھے ۔ ان کا پختہ ایمان تھا کہ نماز جنت کی کنجی ہے۔ آپ نے اپنی آخری سانسوں تک اس کی عملی طور پر پابندی کی - ان کی آخری بیماری کا عرصہ 2 ماہ کے قریب ہے - اس دوران ہو سکتا ہے کہ کچھ چیزیں آپ کے ذہن سے محو ہوئی ہوں مثلاً بعض دور کے رشتہ داروں کے نام وغیرہ ۔لیکن یہ نہیں ہوا کہ ادائیگی نماز کے بارے میں آپ کبھی بھولے ہوں یا کوئی غفلت ہوئی ہو۔ آپ خدا تعالیٰ کے فضل سے موصی تھے اور چندوں کی ادائیگی میں انتہائی مستعدی کا مظاہرہ کرتے تھے ہمیشہ میعاد ختم ہونے سے پہلے ادائیگی کرتے ۔ آپ نے حصہ جائیداد اپنی زندگی میں ہی ادا کر دیا تھا -لازمی چندہ جات کے ساتھ ہر تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اُن کی وفات کے بعد جب چندہ وصیت کا حساب ہوا تو معلوم ہواکہ امریکہ اور پاکستان ہر دو جگہ فاضل ادا ہے ۔ الحمد للہ ۔خلفائے احمدیت کے لئے اپنے دل میں پیار اور خلافتِ احمدیہ کے لئے گہری محبت اور غیرت رکھتے تھے ۔ آپ نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ سے لے کر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کا زمانہ دیکھا ۔ آپ خلافت سے وابستہ رہنے کی تلقین کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے ۔ آپ کے پسماندگان میں آپ کی بیوہ کے علاوہ 3 بیٹے خاکسار رضوان احمد سندھو، نعمان احمد سندھو عثمان احمد سندھو اور ایک بیٹی عظمیٰ شوکت نذیر اہلیہ شوکت نذیر سندھو صاحب ہیں۔ آپ کی اہلیہ اور 2بچے موصی ہیں۔ تمام بچوں نے مختلف حیثیتوں میں جماعت کی عملی خدمت کرنے کی توفیق پائی ہے۔خاکسار رچمنڈ میں زعیم انصاراللہ اور سیکرٹری جنرل کے طور پر کام کرتا رہا ہے۔ نعمان سندھو یو کے میں جماعت کے ایک سرگرم کارکن کے طور پر ایم ٹی اے میں خدمات بجا لا رہا ہے اور عثمان سندھو بوسٹن میں قائد مجلس خدام الاحمدیہ رہا ہے اور آج کل کیلیفورنیا میں مقیم ہے –

ہم سب بڑے بھاری دل کے ساتھ انہیں الوداع کہتے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ وہ خداتعالیٰ کے فضل سے ایک بہت بہتر مقام کی طرف گئے ہیں ۔ بچوں کے لئے ان کا آخری پیغام نمازوں کی پابندی کرنا ، تقویٰ کے ساتھ زندگی گزارنا اور خلافتِ احمدیہ سے وابستہ رہنا تھا ۔ خدا تعالیٰ ہمیں تا دمِ آخر اس پر عمل پیرا رہنے کی توفیق عطاء فرمائے آمین۔ ابو کے ساتھ قلب وجاں کا رشتہ کچھ اس طرح سے جڑ چکا تھا کہ اب بھی کبھی تنہائی میں کانوں میں ان کی رس گھولتی ہوئی آواز سنتا ہوں۔گویا وہ کہہ رہے ہوں کہ کل جب میرے بغیر صبح طلوع ہو گی تو یہ تصور کرنا کہ ایک فرشتہ آیا اور اس نے میرا نام پکارااور پھر میرا ہاتھ تھام لیا اور بتایا کہ آسمان کی بلندیوں سے کہیں اوپر جنت میں میری جگہ تیار ہو چکی ہے اور مجھے اپنے تمام عزیزوں اور پیاروں کو پیچھے چھوڑ کر منزلِ مقصود کی جانب روانہ ہونا ہے ۔ پھر جس وقت میں جنت کے دروازے پر پہنچا تو ایسا لگا کہ میرے خدا نے مسکرا کر میری طرف دیکھا اور خوش آمدید کہا اور میں نے یوں طمانیت محسوس کی کہ گویا مدتوں بعد لوٹ کر اپنے گھر پہنچا ہوں ۔ چنانچہ جب کل صبح میرے بغیر طلوع ہو تو یہ نہ سوچنا کہ ہم جدا ہیں ، جب بھی میرے بارے میں سوچو گے مجھے اپنے دل کے قریب محسوس کرو گے ۔ ہمیں یقین ہے کہ وہاں وہ پہلے سے کہیں بڑھ کر آرام اور راحت وسکون میں ہیں ۔لیکن یہاں ان کا چھوڑا ہوا خلا ء کبھی پُر نہیں ہو گا ۔ آخر میں اپنے پیارے والدِ گرامی کے آخری الفاظ درج کرکے ان کی یاد میں لکھا ہوا یہ مختصر سا نوٹ ختم کرتا ہوں - ان الفاظ پر ہلکا سا غور کرنے سے بھی انسان کسی اور ہی کیفیت میں پہنچ جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا ”:کیا انتظام ہے؟قافلہ تیار ہے ؟ میں تیار ہوں۔ اللہ اکبر اللہ اکبر اس کے بعد خود بستر سے اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا میری چھڑی پکڑاؤچلو چلیں“

بقیہ از صفحہ9۔صداقت انبیاء کے پانچ قرآنی معیار

صداقت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مذہب کے ماننے والوں کو یہ بڑی دلیل دی کہ اگر یہ محمدؐ جھوٹا ہے تو ممکن نہیں کہ کامیابی پائے۔ گویا ایک اصولی دلیل بھی ہمیں عطا کردی کہ خدا تعالیٰ اپنی ذات پر جھوٹ باندھنے والے کو کامیابی نہیں دے گا وہ ناکام اور خائب وخاسر ہو کر مٹا دیاجائے گا ۔

پانچویں دلیل

خداتعالیٰ اپنے مقرر کردہ فرستادوں کی تائید و نصرت فرماتا ہے جس کے نتیجے میں وہ اپنے مخالفین پر غالب ہوتے ہیں ۔ ان کا غلبہ یقینی ہوتا ہے ۔ سورۃ الصافات آیات 171 تا 173 ملاحظ کریں ۔

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ۔ إِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ۔ وَإِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ۔ترجمہ: اور البتہ ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے رسولوں کے لئے صادر ہو چکا ہے۔کہ یقیناً وہ ہی مدد کئے جائیں گے۔اور ہمارا ہی لشکر غالب (اور برتر) رہے گا۔

اسی طرح سورۃ المجادلہ آیات 21 اور 22 میں بتاتا ہے۔ إِنَّ الَّذِيْنَ يُحَادُّوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗٓ أُولٰٓئِكَ فِي الْأَذَلِّيْنَ۔ كَتَبَ اللّٰهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِيْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ۔ ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی جو لوگ مخالفت کرتے ہیں وہی لوگ سب سے زیادہ ذلیلوں میں ہیں اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ بیشک میں اور میرے پیغمبر غالب رہیں گے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ زورآور اور غالب ہے۔

ان دو حوالوں پر غور کرنے سے صاف پتہ چلتا ہے کہ نبی اور اُس کی جماعت چونکہ خدا تعالیٰ سے تائید و نصرت پاتے ہیں اس لئے لازمی طور پر ان کے لئے غلبہ مقدر ہے اور مخالفین اور دشمنوں کے لئے سوائے ناکامی ذلت اور رسوائی کے اور کچھ نہیں ۔ یہ چند قرآنی معیار ہیں جو ایسے واشگاف اور کھلے کھلے اصول ہیں جو سچے اور جھوٹے مدعی نبوت کے درمیان مکمل امتیاز کرتے ہیں - تقویٰ اور انصاف سے جائزہ لینے والوں پر کبھی یہ بات مشتبہ نہیں رہ سکتی کہ ہم کیسے سچے اور جھوٹے مدعیان کا فرق کریں گے ۔

DAILY LONDON
ALFAZL
ONLINE

www.alfazlonline.org
@alfazlonline
@alfazlonline
ONLINE EDITION
Download on the App Store
ANDROID APP ON Google play

اپنے مضامین، آرٹیکلز، نظمیں اور آراء
درج ذیل ذرائع میں سے کسی ایک پر بھجوائیں
0044 74 9378 5065
0044 79 5161 4020
info@alfazlonline.org

عدنان احمد ظفر

خدا کی قدرتیں اور ہمارا ظرف

خدا کی زمین پر بسنے والے بہت سارے لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو آسمان ہمیں دکھائی دیتا ہے یا کم وبیش 220 کے قریب جو ممالک ہیں بس یہی خدا کی کل کائنات ہے یا کچھ یہ سمجھتے ہیں کہ کچھ نظام شمسی ہیں جن میں سے ایک ہمارا نظام شمسی بھی ہے۔یہ خدا کی کلؕ کائنات ہے۔

مگر سچ تو یہ ہے کہ جو آسمان نیلے رنگ کا ہم دیکھتے ہیں اور بے انتہاستارے ہمیں نظر آتے ہیں وہ ہمارے خدا کی کل کائنات کا ایک فیصد بھی نہیں ہے۔ چلیں ہم اللہ تعالیٰ کی کائنات پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔

زمین،جہاں پر ہم رہتے ہیں کوئی شخص یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ میں نے ساری زمین کی سیر کی ہے۔ سینکڑوں ممالک، ان گنت شہر، سمندر ،دریا ،صحرا ہماری زمین پر موجود ہیں۔ ہماری ٹیکنالوجی کا جدید ترین جہاز پاکستان سے امریکہ جاتے ہوے 7 گھنٹے لیتا ہے وگرنہ نارمل کمرشل جہاز 16،17 گھنٹے لیتا ہے۔ جہاز کی رفتار سے سب واقف ہی ہیں۔ مگر حیرانگی آپ کو اس بات پر ہوگی کہ اتنی بڑی زمین ہونے کے باوجود کائنات میں اس زمین کی حیثیت ایسے ہی ہے جیسے ریت سے بھرے ایک ٹرک میں ایک ریت کا ذرہ۔

ہماری زمین کا نظام شمسی کروڑوں سال سے 9 سیاروں کی موجودگی کے ساتھ ایک خاص سمت کو محوِ سفر ہے۔ ہماری کائنات کا سب سے بڑا سیارہ سورج ،ہماری زمین سے 2لاکھ گنا بڑا ہے اور ہماری کائنات میں سورج جیسے بے شمار ستارے ہیں۔ رات کو نظر آنے والے ستارے تو ہمارے سورج سے بھی لاکھوں گنا بڑے ہیں۔ مگر بے انتہا دور ہونے کی وجہ سے بہت چھوٹے نظر آتے ہیں۔ ان کی روشنی کو زمین تک پہنچنے میں ہزاروں سال لگ جاتے ہیں۔ ہم آسمان پر جو ستارے دیکھتے ہیں وہ ہمارے نظام شمسی کے آس پاس کے ستارے ہیں مگر ایک دوسرے سے اربوں کھربوں میل دور۔

بےشمار ستارے مل کر کہکشاں یا ستاروں کے جھرمٹ کی صورت میں نظر آتے ہیں۔ آسمان پر نظر آنے والے ان ستاروں کے جھرمٹ کو ملکی وے Milky way کہا جاتا ہے، جس میں ان گِنت کہکشایں ہیں۔ ہمیں جو آسمان دکھائی دیتا ہے وہ اس ملکیؕ وے کا بس تھوڑا سا حصہ ہے۔ اس کائنات میں ہماری کہکشاں کے علاوہ اور بھی ان گنت کہکشائیں موجود ہیں۔

ہماری کہکشاں ،ملکی وے اور اس طرح کی دیگر اور کہکشائیں مل کر لوکل گیلیکٹک گروپ بناتی ہیں۔ ہماری کروڑوں ستاروں والی ملکیؕ وے، اس گروپ میں ایک ذرّے کی حیثیت رکھتی ہے۔

اب آپ اندازہ لگائیں کہ خدا کی کائنات کتنی بڑی ہے۔ اربوں کھربوں میلوں پر پھیلی ہوئی..... انسان صرف جدید آلات سے دیکھ ہی سکا ہے اور پھر اس کائنات میں ہزاروں لاکھوں شہابِ ثاقب گھومتے پھر رہے ہیں۔ کچھ شہابِ ثاقب زمین سے بھی کئی گنا بڑے ہیں جنہیں زمین تک پہنچنے میں ہی لاکھوں سال لگ جائیں گے۔

مگر ذرا ٹھہریئے ! یہ تو ایک کائنات کا ذکر ہو رہا ہے۔ جدید تحقیق کے مطابق اس سے بڑی چھوٹی 2 ہزار ارب اور کائناتیں بھی دریافت ہو چکی ہیں۔ جس طرح انسان زندہ ہوتے اور مرتے ہیں اسی طرح کائناتیں بن رہی ہیں اور ختم ہو رہی ہیں۔

اگر ایسا ہے تو میرے خدا کی کائنات کی وسعت کا اندازہ لگانا تقریباً ناممکن ہی ہے۔ ہم بیٹھے ہیں ایک چھوٹی سی کائنات کے ایک چھوٹی سی کہکشاں کے ایک چھوٹے سے نظامِ شمسی کے ایک چھوٹے سے سیارے زمین پر..... اب ذرا زمین پر پاؤں رکھیں اور سوچیں کہ اتنی زیادہ کائناتوں کے مقابلہ میں ایک زمین کی کیا حیثیت ہے؟ اور اس زمین پر بسنے والی ایک مخلوق جسے انسان کہا جاتا ہے اس کی اس خدا کے آگے، جس نے یہ کائناتیں بنائیں، یہ نظام بنایا،کیا حیثیت ہے ؟؟

اور دیدہ دلیری دیکھیں اس انسان کی کہ سرکشی بھی کرتا ہے تو کس کے آگے ؟خدا کی سرکشی؟جس کی کائناتوں کی کائناتیں ہیں۔ کیا اوقات یا حیثیت اس اشرف المخلوقات کی ؟نجانے کتنے سیاروں پر مخلوق آباد ہوگی؟نجانے کتنے سیاروں پر ہم سے ذہین اور عقلمند لوگ آباد ہوں گے ؟نجانے کتنے سیاروں پر نبیوں اور اللہ کے بھیجے ہوئے بندوں کے سلسلے ہوں گے؟نجانے کتنے فرشتے جو کہ صرف زمین کی طرف آنے والے ہی اَن گنت ہیں تو دوسرے سیاروں پر کتنے خدا کے پاس سے جاتے ہوں گے؟

خدا اپنی اس مخلوق انسان سے فرماتا ہے کہ میں تمہارے شہ رگ سے بھی قریب ہوں۔ میں نے تمہیں اپنی فطرت پر پیدا کیا ہے۔ تمہارے رزق کا ذمہ دار میں ہوں۔ کائنات کی وسعت کا اندازہ تو آپ کو پڑھ کر ہو ہی گیا ہوگا لیکن دیکھیں اس خدا کی شان کہ ایک چھوٹی سی زمین کے اندر پتھروں کی تہہ میں دبے ہوے کیڑے کو بھی رزق پہنچا رہا ہے۔ اس کو اپنی مخلوق میں اس کیڑے کا بھی خیال ہے۔ جب وہ اس کیڑے سے اتنی محبت کرتا ہے تو سوچیں جس مخلوق کو اس نے اشرف المخلوقات بنایا ہے اس سے کتنی محبت کرتا ہوگا ؟ جس کو اس نے اپنی فطرت پر بنایاہے۔ بطور ایک انسان سوچیں کہ ہم کیا ہیں؟

عرض اتنی ہے کہ خدا میں بہت طاقتیں ہیں ۔یہ زمین تو کیا ساری کائناتیں بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتیں۔ کوئی اس کو مانتا ہے مانے ،نہیں مانتا نہ مانے ، خدا بے نیاز ہے۔

لیکن اپنی زندگیوں پر غور کر کے کم از کم اتنا ضرور سوچیں کہ اتنی بڑی سلطنت اور قدرتوں کا مالک ہو کر آپ پر کس قدر انعامات کرتا ہے۔ آپ کی غلطیوں کو ہر بار نظر انداز کر کے آپ کو رزق دیتا ہے۔ جس زمین پر آپ رہتے ہیں اس کی حیثیت اس کائنات کے آگے ایک ذرہ کی بھی نہیں اور ہم اس زمین پر کیا طاقت رکھتے ہیں؟

اپنے مالک کی قدر کریں، وہ بہت بڑے ظرف کا مالک ہے۔ اس کا فضل ،اس کا رحم بہت بڑا ہے۔ آپ کے گناہوں کے باوجود آپ پر انعامات برساتا ہے۔ آپ کے غرور وتکبر کے باوجود آپ کو صحت عطا فرماتا ہے، بیماریوں سے بچاتا ہے۔ آپ کے کئے گئے ظلموں کے باوجود سکون دیتا ہے کہ شاید میرا بندہ سمجھ جائے،سُدھر جائے۔ میری عبادت کرے، میری مخلوق کی خدمت کرے۔ لیکن یاد رکھیں اس کی پکڑ بھی بہت سخت ہے۔ اس کا رحم اس کے غضب پر حاوی رہتا ہے۔

اس کی قدرتوں کا احاطہ کریں جو کائنات کی صورت میں بیان کیا ہے۔ اتنی بڑی ہستی اگر درگزر کرتی ہے ،اپنے اعلی ظرف کی وجہ سے تو اس کے آگے سرکشانہ چال نہ چلیں۔ کوئی حیثیت نہیں انسان کی، اس ربِّ کائنات کے آگے۔ وہ اتنی بڑی ہستی ہے کہ اس کے آگے شکایت کرنا بنتاہی نہیں۔ اپنی زندگی کی مشکلات کا ذمہ دار اسے نہ ٹھہرائیں۔ جتنی عزت آپ اپنے باپ یا استادکی کرتے ہیں وہ اس سے لاکھوں گنا زیادہ عزت کے قابل ہے۔

بہت ساری آپ کی تکالیف ومشکلات آپ کو بتائے بغیر ہی دور کر دیتا ہے۔آپ کسی انسان پر کوئی احسان کریں تو اسے بتا دیتے ہیں لیکن وہ تو آپ کو نہیں بتاتا کہ میرے تم پر کیا کیا احسانات ہیں۔ آپ کو کوئی بُرا کہہ دے تو آپ بُرامناتےہیں لیکن آپ اپنی ساری غلطیاں خدا پر ڈال کر خود کو بے قصور سمجھتے ہیں اور خدا آپ سے اتنا پیار کرتا ہے کہ خاموش رہ کراپنے انعامات سے نوازتا رہتا ہے اور غلطیوں کو سدھارتا رہتا ہے۔

آپ جب ناکامی کے اندھیروں میں گھرے ہوتے ہیں اور خدا کو قصوروار سمجھ رہے ہوتے ہیں تب بھی وہ آپ کو امید کی کرن دکھاتا ہے اور اس ناکامی یا مشکل سے باہر نکال دیتا ہے لیکن آپ خدا کے شکر گزارہونے کی بجائے اپنی ہمت کہہ کر کریڈٹ لے رہے ہوتے ہیں۔ تب بھی وہ پیار کی نگاہ ڈالے، آپ کی کم ظرفی کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی اعلیٰ ظرفی سے آپ کو کامیاب کرتا ہے۔

یہ ہے وہ خدا جو اتنی بڑی سلطنتوں کا مالک ہے۔ سب اسی کا ہے ناکامیاں بھی، کامیابیاں بھی ،ہم بھی، آپ بھی، دنیا بھی، آخرت بھی۔اس کی قدر کریں۔عزت کریں،پیار کریں۔اس کے آگے جھکیں کیونکہ وہی ہے جس کے آگے صرف جھکنا بنتاہے۔

دعائیں قبول کروانے کے بزرگوں نے بہت طریقے بتائے ہیں، ان سے فائدہ اٹھائیں۔ وہ سب کی سنتا ہے اور سب سنتا ہے۔ بس کوشش کریں کہ اس کے سامنے پُرنم آنکھوں سے جائیں۔ وہ بہت بڑی عظیم ہستی ہے اس کا حق ہے کہ اس سے پُرنم آنکھوں سے مانگا جائے پھر جو مانگیں گے ملے گا۔ آزمائش شرط ہے۔

سحر وافطار

11 مئی 2020ء		وقت سحر	وقت افطار
مکہ مکرمہ		04:23	18:50
مدینہ منورہ		04:16	18:56
قادیان		04:02	19:15
ربوہ		03:42	18:58
اسلام آباد ٹلفورڈ	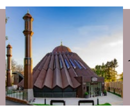	02:31	20:41